ہفت روزہ
ترجمانِ اسلام
لاہور

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا [illegible]ی محمود

23/1

سید اسمٰعیل شہیدؒ اور مقام انبیاء علیہم السلام

بانی دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

۴ جنوری تا ۱۰ جنوری ۱۹۸۰ء

قیمت ایک روپیہ پچاس پیسہ

پہلا شمارہ

اس بزم کائنات میں جلوہ تمہیں سے ہے!

زرخیز سرزمینِ تمنا تمہیں سے ہے ‏ ‏ ‏ دنیا تمہیں سے ہے مری عقبیٰ تمہیں سے ہے

ذرّوں میں آفتاب، ستاروں میں روشنی ‏ ‏ ‏ اس بزم کائنات میں جلوہ تمہیں سے ہے

ہر زخم آرزو کی دوا ہے تمہارے ہاتھ ‏ ‏ ‏ ہر دردِ زندگی کا مداوا تمہیں سے ہے

رخشندگیٔ ذہن رسا ہے تمہارا ذکر ‏ ‏ ‏ قلب سلیم و دیدہ و بینا تمہیں سے ہے

تم راحت تمام بقول خدائے پاک ‏ ‏ ‏ مومن کا قلب عرشِ معلّی تمہیں سے ہے

تم پر علوم آدم اوّل ہیں بے نقاب! ‏ ‏ ‏ نشو و نمائے گلشنِ دنیا تمہیں سے ہے

الیاسؑ و خضرؑ ہیں میری نظروں میں محترم ‏ ‏ ‏ لیکن مرے جنوں کا مداوا تمہیں سے ہے

تم سے ملا قرار زمیں کو، فلک کو اوج ‏ ‏ ‏ مہتاب و آفتاب کا جلوہ تمہیں سے ہے

اسرارِ عرش و فرش کے ہو تم امینِ خاص!

گردوں پہ اس زمین کا چرچا تمہیں سے ہے

احسان دانش

پریس آرڈی ننیس پر ترمیم

۱۸ دسمبر کو صدر مملکت کی جانب سے ایک آرڈی ننیس جاری کیا گیا جس کی رو سے تعزیرات پاکستان کی دفعات ۴۹۹ اور ۵۰۰ میں ترمیم کر دی گئی بقول سرکاری پریس ریلیز اس کا مقصد شہریوں کو توہین آمیز مواد کی اشاعت سے محفوظ رکھنا ہے۔ آرڈی ننیس میں عدالتی کارروائی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے کسی فرد کے خلاف توہین امیز مواد کی اشاعت جرم قرار دی گئی ہے، خواہ یہ مواد درست اور حقایق پر مبنی ہو اور اس سے عوام کا مفاد وابستہ ہو اس قسم کے مواد کی اشاعت قابل دست اندازی پولیس ہوگی۔

بات بجا ہے کہ موجودہ حکومت کی طرف سے صحافت کو مکمل طور پر آزادی ملنے پر معدودے چند اخبار و رسائل نے نہ صرف صحافت کی مٹی پلید کرنا شروع کر دی بلکہ عام اخلاقی اقدار بھی پھلانگتے نظر آنے لگے۔ اس صورتحال کے پیش نظر اگر صرف ان مخصوص انتشار پسند اخبار و رسائل پر ہی پابندی عائد کر دی جاتی تو مناسب تھا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ چنے کے ساتھ "دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں" گھن بھی پیس دیا گیا۔

آخر ایسا کیوں ———— ؟

ہم صدر محترم سے دست بستہ یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ کیا آئین کی دفعہ ۴۹۹ اور ۵۰۰ میں ترمیم ناگزیر تھی جبکہ --- سنسرشپ اس سے قبل ہی نافذ ہے ؟

جبکہ آپ نے ترمیم میں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ
"خواہ یہ مواد درست اور حقائق پر مبنی ہو اور اس سے عوام کا مفاد وابستہ ہو۔"
اب اگر ہم یہ عرض کریں کہ جب ایک بات درست اور حقائق پر مبنی ہے اور اس کی اشاعت سے عوام کا مفاد بھی وابستہ ہے مگر اسے چھاپنے کی اجازت نہیں

جبکہ صحافت کا بنیادی مقصد عوام کو صحیح خبریں اور معلومات فراہم کرنا اور ان کے مفاد کا ہر مواد شائع کرنا ہے ———— !!

———— اس مذکورہ ترمیم کی رو سے اب نہ تو عوام کے مفاد کی بات کی جا سکتی ہے اور نہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیا جا سکتا ہے۔

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۱

جمعۃ المبارک ۴ جنوری ۸۰ء ۱۲ صفر ۱۴۰۰ھ

— سرپرست —
مولانا عبیداللہ انور

— مدیر —
اکرام القادری

— مدیر معاون —
عمیر الہاشمی

— بدلِ اشتراک —
سالانہ
۶۵ ———— روپے
ششماہی
۳۳ ———— روپے
سہ ماہی ———— ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے
— یکے از مطبوعات —

خط و کتابت : ترجمان اسلام چوک رنگ محل لاہور

[illegible] مولانا عبیداللہ انور [illegible] لاہور ۸

مولانا محمد افضال الرحمٰن قاسمی

جنہیں ثقہ مانے بغیر ایمان مکمل نہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس میں قیل وقال کی گنجائش کہاں ۔ کسی تردد و تذبذب کا شائبہ کہاں کہ اس خالق کائنات کے شکریہ کے لئے زبان کہاں سے لائی جائے اور الفاظ کا ذخیرہ کہاں سے لایا جائے کہ اس کی تمام نعمتوں کی شکرگزاری کی جاسکے ۔ اگر آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کا گننا مشکل ہے ۔ زمین پر چمکتے ہوئے ذرات کا شمار کرنا دشوار ہے تو یقیناً اس منعم حقیقی کی نعمتوں کا گننا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بھی ناممکن ہے کہ جس کا مکمل فیضان کائنات کے ایک ایک ذرے پر ہے ۔ کیسے گنا جاسکتا ہے جبکہ انہیں کا ارشاد ہے کہ جس کی صداقت و حقانیت میں شک وشبہ نہیں :

وان تعدو نعمة الله لاتحصوها۔

اگر دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں مل جائیں لیکن ایمان کی مایہ نہ ملے تو کیا ایسا شخص کامیاب و بامراد ہوسکتا ہے ۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایک مومن کے دل کی آواز اور اس کے ضمیر کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ایسا شخص سب سے زیادہ ناکام ونامراد ہے ۔ ہاں اگر خالق دوجہاں کے دربار میں اس حال میں پیشی ہو کہ دنیا کی اعتبار سے مفلس وقلاش ہو لیکن دل کی دنیا قندیل ایمانی سے منور ہے تو ایسا شخص کامیاب و بامراد ہے ۔ گویا روئے زمین میں ایمان واسلام سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ۔ وہ بھی ہر پھول کی قسمت میں کہاں نازعروساں مگر ہاں جس پر رحمت حق کی نگاہیں پڑجائیں

یمنون علیك ان اسلموا قل لاتمنوا علی اسلامكم بل الله یمن علیكم ان هداكم للایمان ان كنتم صادقین۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر احسان رکھتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو)۔

لیکن جن کے واسطے سے یہ نعمت عظمیٰ ہاتھ آئی ان کی عدالت وثقاہت تقویٰ و تقدس کو مجروح کرکے اور ان کے متعلق دائرہ ایمان سے خارج ہونے کا اور مرتد ومنافق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے کیا ہمارا ایمان معتبر ہوسکتا ہے اور کتاب اللہ کی غیر محرف اور دین کے محفوظ ہونے کا یقین ہوسکتا ہے ۔ ہرگز نہیں صحابہ کرامؓ کو ثقہ مانے ہوئے بغیر ہمارا ایمان کامل ومکمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکر نہ مانا جائے جبکہ دست قدرت نے ان کو تیئس سال محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) پھولوں میں بسایا ۔ آفتاب رسالت کی ضوفشانیوں نے ان کے قلوب کو مجلّی ومزکی بنایا ۔ فیض محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو ایمانی واسلامی زندگی سے مزین کیا ۔ دربار رسالت سے نجوم ہدایت کا عالی مقام ملا ۔ درحقیقت صحابہ کرامؓ ایمان کی کسوٹی ومعیار ہیں ۔ ایمان ہر کیفیت و صفت کے ساتھ مقبول نہیں ۔ ایمان وہی قابل قبول اور مقبول عنداللہ ہے جو صحابہ کرامؓ کی ایمان کی طرح ہو ۔ قرآنی مطالبہ ہے:

آمنوا كما آمن الناس

جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی طرح کا ایمان اگر ہوگا تو بارگاہ رب العالمین میں وہ معتبر ہوگا ۔ عقیدہ وعمل ظاہری طور پر چاہے اپنے اندر کتنی ہی دل آویزی لئے ہوئے ہو لیکن اگر وہ صحابہ کرامؓ کے عقائد و اعمال کے خلاف ہے تو ایسے عقیدہ وعمل کی کوئی قدر وقیمت نہیں، کوئی اہمیت وحقیقت نہیں ۔ اسی بنا پر سات آسمانوں سے ان کے کے تقویٰ وتقدس، خلوص وللہیت، پاک باطنی و پاک نفسی ، پاکبازی وراست بازی کی شہادت دی گئی ۔ ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم وكره اليكم الكفر والفسوق والعصيان اولئك هم الراشدون فضلا من الله ونعمة والله عليم حكيم ۔ القرآن الحكيم.

لیکن اللہ نے ایمان کو ان کے دلوں میں محبوب بنادیا اور آراستہ کردیا اور کفر وفسق اور گناہ کو ان کے نزدیک مکروہ اور برا بنادیا ۔ یہی لوگ ہیں بزرگ اللہ کے فضل ونعمت سے اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے ۔

اور ان کے ظاہری اعمال وافعال خصوصیات و اوصاف ، اخلاق وکردار پر یہ کہہ کر مہر تصدیق ثبت کی گئی ۔ والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من اثر السجود ذالك مثلهم في التوراة ومثلهم في الانجيل كزرع اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظيما۔

اور جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں آپس میں مہربان ۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل ورضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ۔ ان کے آثار بوجہ تاثیر کے ان

کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ان کے اوصاف توراۃ میں ہیں اور انجیل میں، ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا۔ پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے۔ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے)۔

تاکہ کسی کو ان کی زندگی کے کسی شعبہ اور کسی موڑ پر بھی نکتہ چینی کی جرأت نہ ہو۔ ان کی ظاہری و باطنی زندگی کے متعلق کسی کو حرفِ شکایت لانے کا موقع نہ ملے۔ کسی کو ان کے دامنِ صحابیت کو داغدار کرنے کی اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ہمت نہ ہو' تو صحابہ کرام رض نہ یہ کہ رزائل نفس سے پاک تھے بلکہ اعمال فاضلہ، کردار عالیہ، اخلاق حسنہ، افعال مرضیہ جیسی صفات عالیہ سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ اگر معاذ اللہ صحابہ کرام رض کی زندگیوں میں کوئی نقص ہوتا۔ یا ان کے ایمان و یقین میں کوئی کمی ہوتی، یا ان کے دلوں کی دنیا کفر و ارتداد کی ظلمتوں سے تاریک ہوتی یا ان کی زندگیوں میں زیغ و ضلال ہوتا تو کیا قرآن ان کو راشد و متقی ہادی و مہدی، راضی و مرضی کہتا۔ درحقیقت یہ آیتیں شہادت دے رہی ہیں کہ ان کا دامن بالکل پاک و صاف تھا۔ ان کی زندگیوں میں کوئی نقص تھا نہ کمی۔ ان کے قلوب نقائص و عیوب سے مزکی و مجلی تھے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام مقدس و برگزیدہ طبقے کے علاوہ دنیائے انسانیت میں صحابہ کرام رض سے بہتر رشد و ہدایت' صورت و سیرت، کردار و کیریکٹر، اخلاق و عادات، معاملات و معاشرت میں نہ کوئی گروہ ہے نہ کوئی نسل۔ علامہ ابن تیمیہ کی زبانی اس حقیقت کی ترجمانی سنیے: فمن استقرء اخبار العالم فی جمیع الفرق تبین له انه

لم یکن قط طائفة اعظم اتفاقاً علی الهدیٰ والرشد وابعد من الفتنة والتفرق والاختلاف من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذین هم خیر الخلق بشهادة الله لهم بذالک اذ یقول تعالیٰ کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله منهاج السنة ص ۲۴۱ / ۳۹

(جس شخص نے اہتمام سے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات و واقعات کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے حالات کا تتبع کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گزرا جو ہدایت و رشد پر صحابہ کرام سے زیادہ مجتمع اور تفرق و اختلاف سے ان سے زیادہ دور ہوں۔ ان صحابہ کرام رض کے متعلق اللہ تعالےٰ نے شہادت دی ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ وہ فرماتا ہے کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو)۔

جن کی زبانیں - - - - - -

صحابہ کرام رض کے بارے میں زمزمہ سنج و مدح خواں ہیں اور ان کے قلوب صحابہ کرام رض کی محبت و عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں اور دلوں میں ان کی طرف سے کوئی کھوٹ نہیں رکھتے

قرآن نے ایسے لوگوں کی مدح سرائی کی ہے

والذین جاؤا من بعدهم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف الرحیم۔

اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق و رحیم ہیں)۔

درحقیقت یہی ایمان کا تقاضا اور انسانیت و

- - - - (باقی صفحہ ۲۶ پر)

ہر قسم کے پائیدار

ہر سائز میں

چاقو، قینچی، ریزر

ہم سے طلب فرمائیں۔

پرانے اوزار کی تسلی بخش مرمت کی جاتی ہے۔

پروپرائٹر: مرزا محمد یسین

بلاک ۱۹، سرگودھا

امریکی سامراج کی دہائی اور مظلوم قومیں

نور عالم قریشی

امریکی صدر جمی کارٹر نے اپنی پریس کانفرنس میں ایران کو سنگین نتائج کی دھمکی دیتے ہوئے کہا ہے کہ

"ہر جگہ امریکیوں کی آزادی سلامتی کا دفاع کیا جائے گا۔ ہمیں بلیک میل نہیں کیا جا سکتا۔ آخری امریکی رہائی کے بغیر ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ایران نے تشدد اور دہشت گردی کا جو رویہ اختیار کیا ہے انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔"

امریکی صدر نے اپنے یرغمالیوں کی رہائی کرانے کے لئے عالمی رائے عامہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے۔ سخت سے سخت لہجے میں اپنی پریس کانفرنس میں ایران پر شدید الزامات لگائے ہیں اور آیت اللہ خمینی کے اقدامات پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔

آج امریکہ کو یہ خطرہ محسوس ہوا ہے کہ چھوٹے اور مظلوم ملک جن کے پاس وسائل دولت اور اسلحہ کی کمی ہے مگر اس کے باوجود وہ امریکہ کو آنکھیں دکھا رہے ہیں اور اپنے آپ کو امریکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر محاذ پر تیار پاتے ہیں۔

دنیا کا کوئی بھی باشعور انسان جو جمہوریت، آزادی اور سلامتی پر یقین رکھتا ہے اس نے ہمیشہ امریکی سامراج کی ڈٹ کر مخالفت کی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور کوئی بھی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ امریکہ نے ایشیائی، افریقی، اور اسلامی ملکوں کو سیاسی اور اقتصادی طور پر ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے، اور جہاں بھی اس کا بس چلا ہے اس نے ان ملکوں میں اندرونی انتشار پیدا کر کے عوام دشمن اور کٹھ پتلی حکومتیں بنانے میں ایک گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے اور سیاست کا طالب علم اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ امریکی سامراج نے ایشیا، افریقہ، لاطینی امریکہ، مشرقِ وسطیٰ اور اسلامی ملکوں میں مظلوم اور حریت پسند قوتوں کا امن و سکون تہ و بالا کیا ہے۔ امریکہ نے ان ملکوں میں کبھی مارشل لاء اور کبھی خانہ جنگی کا سہارا لے کر اندرونی معاملات میں غیر قانونی اور غیر اخلاقی طور پر کھلم کھلا مداخلت کی۔ امریکہ کے اس قسم کی غیر جمہوری اور انسان دشمن رویہ کی دنیا کے تمام آزادی پسند ملکوں اور مظلوم قوموں نے شدید مذمت کی مگر امریکہ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔

آج جب اس کے گھر میں آگ لگی تو عالمی رائے عامہ کو جھنجھوڑنے کے لئے ایک پریس کانفرنس کی جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ دنیا عالم کو گمراہ کیا جائے اس لئے رائے عامہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اس نے ایسا ڈرامہ کیا ہے۔

صدیوں کی عوامی جدوجہد اور قربانی سے دنیا کی مظلوم اور محکوم قومیں اتنی بیدار ہو چکی ہیں کہ امریکی سامراج اور اُسکی کٹھ پتلی حکومت کو دنیا کے ہر خطے میں شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مگر پھر بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے۔

ایک زمانہ تھا ساری دنیا میں برطانیہ نفرت کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک اور محکوم قومیں انگریزوں کے ظلم و ستم کا شکار تھیں۔ اس نے ایشیا اور افریقہ کی محکوم قوموں کے حقوق غصب کئے ہوئے تھے۔

حریت پسند قوموں کی صدیوں کی جدوجہد اور قربانی سے انگریز سنجیدگی اور فکرمندی سے یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا، اس لئے اس نے دنیا میں ابھرنے والی تحریکوں سے تصادم کرنے کی بجائے مفاہمت کی راہ اختیار کی اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد اپنی نوآبادی سے دستبردار ہوتا چلا گیا۔

مگر آج کی دنیا میں جہاں آزادی، جمہوریت اور انصاف پسندی کا دور دورہ ہے وہاں ایک اور ناسور امریکہ سامراج کی شکل میں اسلامی ملکوں کے اندرونی معاملات میں انتشار اور خانہ جنگی کرا کر عالمِ اسلام کا سکون تہ و بالا کرنا چاہتا ہے۔

عرب اسرائیل جنگ کے دوران امریکہ کی جانبداری، لبنان کے نہتے مسلمانوں پر اسرائیل کے ظالمانہ حملے، قبرص کے مسئلہ پر ترکی کی مخالفت، اسرائیل ریاست کا قیام، یہ سب

إِنَّ فِی ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّأُولِی الْأَبْصَارِ ۝

مولانا مودودی

کے ساتھ

میری رفاقت کی سرگزشت

اور

اب میرا موقف

محمد منظور نعمانی

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ
اولٰئک الذین ھداھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب ۝

تقریب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ وَالَاہُ ۔

صدیق محترم مولانا علی میاں کی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" کی اشاعت اور "الفرقان" میں اس کے بارے میں اظہار رائے کے بعد بعض حضرات کی طرف سے یہ سوال کیا گیا کہ مولانا علی میاں نے اپنی کتاب میں مولانا مودودی کی جن تحریروں کو قابل اعتراض اور خطرناک بتلایا ہے اور "الفرقان" میں اس کی پوری تائید کی گئی ہے' ان میں زیادہ تر تحریریں "جماعت اسلامی" کے قیام سے بھی پہلے کی یا اس کے بالکل ابتدائی دور کی ہیں۔ یہ تحریریں اسوقت آپ حضرات کی نظر سے ضرور گذری ہوں گی۔ خاص کر "تجدید و احیاء دین" تو سب سے پہلے 'الفرقان' کے شاہ ولی اللہ نمبر" میں شائع ہوئی تھی۔ اسوقت آپ لوگوں نے ان تحریروں میں وہ خطرناکی کیوں محسوس نہیں کی جو اب آپ محسوس کر رہے ہیں؟ ان تحریروں کی اشاعت کے بعد بلکہ گویا انہی کی بنیاد پر "جماعت اسلامی" قائم ہوئی تھی اور آپ نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس میں شرکت کی اور مولانا مودودی صاحب کو امیر مان کر سمع و طاعت کا عہد کیا۔ حالانکہ اسوقت بھی آپ عالم دین تھے' اس وقت آپ کو وہ سب کچھ کیوں نظر نہیں آیا جو آج نظر آرہا ہے؟

یہ سوال معقول ہے اور اس نے ضرورت محسوس کرائی کہ اس سلسلہ کی اپنی سرگزشت تفصیل سے سپرد قرطاس و قلم کردی جائے۔ جو غلطیاں ہوئیں صفائی سے انکا اعتراف کیا جائے اور ان کا سبب اور پورا پس منظر بھی لکھ دیا جائے۔

علاوہ ازیں گزشتہ آٹھ۔ دس مہینوں سے مولانا علی میاں صاحب کی اس کتاب (عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح) سے متعلق' اور پھر اس کے بعد جون و جولائی کے 'الفرقان' کے شماروں میں شائع ہونے والے مولانا محمد عارف سنبھلی کے مضمون (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی — میرا مطالعہ) کے تعلق سے "جماعت اسلامی" کے پرجوش مجاہدین کے جو عتاب نامے بکثرت آئے انہوں نے بھی اس کی ضرورت محسوس کرائی کہ اپنی یہ سرگزشت پوری تفصیل سے لکھ دی جائے۔ ان خطوط سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ اب "جماعت" سے تعلق رکھنے والوں میں بڑی تعداد غالباً ان نئے حضرات کی ہے جو مولانا مودودی کے ابتدائی دور' جماعت اسلامی کے آغاز اور مولانا موصوف اور جماعت اسلامی کے ساتھ اس حقیر کے تعلق کی تاریخ سے بالکل ہی ناواقف ہیں۔

امید ہے کہ اس سرگزشت سے جو اس

وقت سپردِ قرطاس وقلم کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے وہ بہت کچھ معلوم ہو جائے گا جو ان نوارد حضرات کے علم میں نہیں ہے اور جس سے ان کو واقف ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی امید ہے کہ ان حضرات میں سے جن کا قلب سلیم ہوگا اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ ان کے غلو کی کچھ اصلاح ہو جائے گی۔

اب سے ۲۲ سال پہلے (۵۵ھ میں) الفرقان ہی میں اس سلسلہ کی میری سرگزشت شائع ہوئی تھی[۱] لیکن اسوقت بعض تفصیلات کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا، نیز اس کا وہ پس منظر بھی نہیں لکھا جس کا تعلق میری طالب علمی کے دور اور "تحریکِ خلافت" سے ہے — اسوقت سلسلہ کلام وہیں سے شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس طرح "آپ بیتی" کا ایک باب بھی تحریر ہو جائے گا جو ناظرین کے لئے سبق آموز بھی ہوگا اور انشاء اللہ دلچسپ بھی۔ پھر بعد کے واقعات و تجربات کی روشنی میں اس عاجز کا اب جو موقف ہے اور مولانا مودودی صاحب کے جن بعض افکار و نظریات کے متعلق میرا احساس ہے کہ ان سے سنگین غلطی ہوئی ہے اور وہ امت میں فتنہ اور ضلالت کا سبب بن سکتے ہیں، ارادہ کیا ہے کہ اسی موقع پر ان کے بارے میں اپنے معروضات صراحت اور صفائی کے ساتھ خود مولانا موصوف اور ان کی جماعت کے اہلِ علم و دانش کی خدمت میں اور عام مسلمانوں کے سامنے پیش کردوں — اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے شرور سے قلب و قلم کی حفاظت فرمائے!

واللہ یقول الحق وھو
یھدی السبیل۰

تحریکِ خلافت

اور اس کے اثرات:

یورپ کی پہلی جنگِ عظیم جو ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۸ء پر ختم ہوئی تھی، یاد ہے کہ اس کے خاتمہ تک ملک کی فضا ایسی تھی کہ عام آدمی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی دن ایسا بھی آئے گا کہ یہاں انگریزوں کی حکومت نہیں رہے گی، یا اس کے خلاف کوئی تحریک ہی اٹھ سکے گی — پھر اس جنگ ہی کے نتیجہ میں وہ حالات پیدا ہوئے جو ہندوستان میں "تحریکِ خلافت" برپا ہونے کا سبب بنے جس نے چند ہی مہینوں میں ہندوستان میں اور خاص کر ہندوستانی مسلمانوں میں وہ انقلاب برپا کر دیا جس کا تصور بھی کیا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خلافت کی تحریک اور آزادیٔ ہند کی تحریک دونوں ساتھ چل رہی تھیں قیادت بھی دونوں کی مشترک تھی۔ مولانا محمد علی شوکت علی جس طرح تحریکِ خلافت کے قائد و علمبردار تھے اسی طرح تحریکِ آزادی کے بھی، اور گاندھی جی جس طرح تحریکِ آزادیٔ ہند کے لیڈر تھے اسی طرح تحریکِ خلافت کے بھی۔ پروگرام بھی دونوں تحریکوں کا ایک ہی تھا، جس کا اہم نکتہ تھا انگریزی سرکار اور اس سے تعلق رکھنے والے اداروں سے عدمِ تعاون اور تا امکان انگریزی مصنوعات کا بھی بائیکاٹ — ہندو اور مسلمان دونوں پورے اشتراک بلکہ اتحاد کے ساتھ تحریک چلا رہے تھے لیکن مسلمانوں کے جذباتی مزاج بے پناہ جوش و خروش اور مسئلہ خلافت کی خاص مذہبی نوعیت نے تحریک پر اسلامی رنگ غالب کر دیا تھا — اللہ اکبر۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترک نعرہ تھا۔ حد یہ تھی کہ بہت سے ہندو لیڈر جس طرح آزادیٔ ہند کے موضوع پر تقریر کرتے تھے اسی طرح خلافت کے مسئلہ پر بھی (جو مسلمانوں کا خالص مذہبی مسئلہ تھا) بالکل مسلمانوں کے انداز میں (بلکہ ایک حد تک مولویانہ انداز میں) تقریریں کرتے تھے۔ ہمارے ضلع مرادآباد میں میرے وطن سنبھل سے بالکل قریب ایک چھوٹا سا قصبہ سرسی ہے وہاں کے ماسٹر چندو لال (جنہوں نے تحریک ہی کی وجہ سے اسکول کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا تھا) بڑے اچھے مقرر تھے، ان کی تقریروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب[۱] بالکل صحیح الفاظ میں اور صحیح اعراب کے ساتھ اُن کی زبان سے بار بار سننا اچھی طرح یاد ہے — الغرض اسوقت ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف جو تحریک مشترکہ طور پر چل رہی تھی اس پر اسلامی رنگ ایسا غالب تھا جس کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے جنہوں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

[یہاں جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی کمی اور بڑی

---

[۱] ۷۷ھ (۵۸ء) میں میں نے یہ سرگزشت اس حالت میں کہ میں مریض اور صاحبِ فراش تھا املا کے طور پر صرف یادداشت سے لکھائی تھی، اس وقت بفضلہ تعالیٰ میں اس حال میں ہوں کہ اس سرگزشت کی جو باتیں الفرقان یا ترجمان القرآن میں شائع ہوئی تھیں، ان کے فائلوں کی ورق گردانی کر کے میں نے ان کا مطالعہ کر لیا ہے۔ — نعمانی

[۱] .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت کے الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے باہر کر دیا جائے۔ اس کے حدود میں ان کو رہنے بسنے کی اجازت نہ دی جائے — خلافت کی تحریک جن بنیادوں پر برپا ہوئی تھی ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت بھی تھی۔ تحریکِ خلافت کے سلسلہ کی تقریروں میں یہ حدیث اس کثرت سے دہرائی جاتی تھی کہ عوام بلکہ بہت سے ہندو بھائیوں کی زبان پر بھی چڑھ گئی تھی۔

افسوسناک بات تھی کہ ایسی عظیم اور عدیم النظیر تحریک کی کوئی تاریخ نہیں لکھی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے بزرگ خادمِ قوم و ملت اور مشہور صاحب قلم ہمارے محترم قاضی عدیل عباسی (ایڈوکیٹ، بستی) کو، انھوں نے ابھی حال میں جبکہ اس تحریک پر ساٹھ برس گزرنے والے ہیں بڑی محنت اور دیدہ وری سے اس کی تاریخ مرتب کی، وہ خود ان لوگوں میں سے ہیں جو تحریک کے میدان میں تھے اور اس زمانے کی جیل کا عذاب بھی چکھا تھا۔ اگر اللہ نے ان سے یہ کام نہ لیا ہوتا تو بظاہر یہ ضروری کام رہ ہی جاتا — بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ اچھی کامیاب تصنیف ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے بھی کوئی اس فضا اور اس صورت حال کا اندازہ نہیں کرسکتا جو تحریک خلافت نے اس ملک میں پیدا کردی تھی)۔

جو دو تین سال "تحریکِ خلافت" کے خاص عروج و شباب کے تھے (قریباً ۱۹۲۱-۲۲-۲۳ء) اس زمانہ میں میرا قیام ایک طالب علم کی حیثیت سے ضلع اعظم گڑھ کے مشہور قصبہ مئو میں تھا۔ میرے خاص استاذ و مربی حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ (جن سے کچھ قرابت کا بھی تعلق تھا) مئو کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم" میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔ مجھے تعلیم و تربیت کے لئے ان کے سپرد کردیا گیا تھا، اس وجہ سے اس زمانہ میں میرا قیام مئو میں تھا — یوں تو ملک کے سب ہی حصوں میں تحریک خلافت کا زور شور تھا لیکن مئو کا جو حال تھا وہ شاید ہی ہندوستان کے کسی دوسرے بڑے یا چھوٹے شہر کا رہا ہو — معلوم ہوتا تھا کہ یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ چونکہ تحریک کے پروگراموں میں سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ بھی شامل تھا، اس لئے خلافت کمیٹی نے اپنی عدالتیں بھی قائم کی تھیں۔ یاد آتا ہے کہ مئو کے معمر بزرگ شاہی جامع مسجد کے امام مولانا بشیر اللہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے ایک ممتاز فاضل مولانا محمد ضمیر صاحب اور مولانا عبداللہ شائق مرحوم (جو ایک بہت تیز اور ذی استعداد اہلحدیث عالم تھے) اس عدالت کے قاضی (جج) تھے۔ ہر قسم کے مقدمات اور تنازعات مسلمانوں کے بھی اور غیر مسلموں کے بھی اسی عدالت میں آتے تھے اور ان کے فیصلے کئے جاتے تھے اور فریقین بلاچون و چرا ان فیصلوں کو مانتے تھے۔ مسلمانوں میں بعض آوارہ مزاج لوگ تاڑی پیتے تھے (جو ایک طرح کی شراب ہے) خلافت کے رضاکار — جو پولیس والی خدمات بھی انجام دیتے تھے، ان کو پکڑ لاتے اور عدالت کے حکم سے ان کے کوڑے لگائے جاتے اور کوئی سرکشی اور سرتابی کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا۔ مئو میں سرکاری تھانہ اور اس طرح کے دوسرے سرکاری ادارے اور محکمے موجود تھے لیکن اس عرصہ میں ان لوگوں کے لئے گویا کوئی کام نہیں تھا۔ عوام کے اخلاق و کردار پر بھی غیر معمولی اثر پڑا تھا۔ جرائم اور لڑائی جھگڑے بڑی حد تک ختم ہوگئے تھے، کم از کم مئو کا تو یہی حال تھا کہ وہ حقیقی معنی میں دارالامن بلکہ ایک طرح کا "دارالاسلام" بن گیا تھا۔

یہ فضا جیسا کہ عرض کیا گیا قریباً دو تین سال قائم رہی، اس کے بعد جب ۱۹۲۳ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے الغاءِ خلافت کا فیصلہ کردیا تو تحریک کی بنیاد ہی ختم ہوگئی اسی زمانہ میں ملک میں بھی کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے جن کے نتیجہ میں اس فضا کا خاتمہ ہوگیا، لیکن اس "تحریک خلافت" نے بعض بہت غیر معمولی اثرات چھوڑے۔ ان میں سے ایک یہ کہ عوام تک کے قلوب میں انگریزی حکومت کی مخالفت بلکہ دشمنی رچ بس گئی اور اس کا خوف دلوں سے بالکل نکل گیا اور ہم جیسے لوگ بھی "اپنی حکومت" اور کم از کم اس فضا کا خواب دیکھنے لگے جو تحریک خلافت میں قائم ہوگئی تھی اور راقم سطور نے مئو میں دیکھی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی اور اس کے بعد جمعیۃ العلماء سے وابستگی۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد تعلیم کے آخری دور میں دو سال میرا قیام دارالعلوم دیوبند میں رہا، (واضح رہے کہ یہ اب سے قریباً ساٹھ سال پہلے کا دارالعلوم دیوبند تھا جب حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر ۳-۴ سال ہی گزرے تھے) تحریک خلافت نے جو جذبات پیدا کئے تھے، یہاں کی فضا نے ان کی آبیاری کی اور ان کو اور مشتعل اور مستحکم کیا — "خلافت تحریک" ختم ہوچکی تھی، ان جذبات کو کسی درجہ میں غذا دینے والی مسلمانوں کی جماعت "جمعیۃ العلمائے ہند" ہی میدان میں رہ گئی تھی اور "دارالعلوم" میں تعلیم پائے ہوئے ہم جیسے لوگ اپنے اکابر کے تعلق سے اس کو اپنی جماعت سمجھتے اور اسی سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے، راقم سطور کی بھی اسی سے وابستگی رہی۔

اس وقت کی جمعیۃ العلماء):

اس وقت وہ حقیقی معنی میں جمعیۃ العلماء تھی یعنی صرف علماء ہی اس کے ذمہ دار اراکین اور عہدہ دار ہوسکتے تھے۔ سیاسی پارٹی کی طرح کی عام ممبر سازی اور الیکشن کا طریقہ اس وقت تک (بلکہ اس کے بہت بعد تک بھی) نہیں اپنایا گیا تھا۔

اگرچہ ہماری جماعت دیوبند کے علاوہ دوسرے طبقوں اور حلقوں کے علماء کرام حضرات علماء اہلحدیث، علماء فرنگی محل، علماء بدایوں، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا فاخر الہ آبادی، مولانا آزاد سبحانی

(مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ کے خلفا میں سے) مولانا مختار احمد میرٹھیؒ ان کے بھائی مولانا نذیر احمد خجندی مولانا عبد العلیم میرٹھی (پاکستان کے مولانا نورانی میاں کے والد ماجد مرحوم) وغیرہ بھی اس وقت اچھی خاصی تعداد میں "جمعیۃ" میں شامل تھے اور وہ حضرات جمعیۃ کے ذمہ دار عہدوں پر تھے، لیکن ارکان اور کارکنوں میں غالب اکثریت جماعت دیوبند ہی کے علماء کی تھی۔ اسی دور کا یہ لطیفہ مشہور ہے کہ کسی موقع پر مولانا عبد الماجد بدایونی مرحوم نے (جو مسلکاً بدایونی حنفی تھے) مولانا ابو الکلام آزاد سے (جو سلفی المسلک تھے) بطور شکایت کے کہا کہ ہماری جمعیۃ کا نام تو جمعیۃ العلمائے ہند ہے لیکن واقعہ میں یہ "جمعیۃ العلمائے دیوبند" بنتی جارہی ہے تو مولانا آزاد نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ:

میرے بھائی! ہندوستان میں جب بھی جمعیۃ العلماء بنے گی تو اس کی ہیئت ترکیبی یہی ہوگی، کیونکہ علماء تیار کرنے کا کام یہاں دیوبند ہی نے کیا ہے، تو جب علماء کو جمع کیا جائے گا تو انہیں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اگر ہم نے آپ نے یہ کام کیا ہوتا تو ہماری تعداد زیادہ ہوتی۔

آزادی کی جدوجہد میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل:

ملک کی آزادی کی جدوجہد میں "انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کا جو اصول تحریک خلافت کے دور میں اپنایا گیا تھا "جمعیۃ العلماء" بعد میں بھی اس پر برابر قائم رہی اور آزادی حاصل کرنے کے لئے اس نے اس کو ضروری اور ناگزیر سمجھا۔

آزادی کے بارہ میں جمعیۃ کا خاص تصور:

لیکن یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ملک کی آزادی کے بارہ میں "جمعیۃ العلماء" کا ایک خاص تصور تھا جو اس دور کے "جمعیۃ" کے اجلاسوں کے خطبات صدارت کے اوراق میں محفوظ ہے اور آج بھی دیکھا جا سکتا ہے (خاص کر حضرت مولانا محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار کے اجلاس مراد آباد کے خطبہ صدارت میں اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے اجلاس کلکتہ کے خطبۂ صدارت اور حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کے اجلاس پشاور کے خطبۂ صدارت میں) اور جمعیۃ کے اجلاسوں کی تجاویز میں — مجھے یاد ہے کہ اس زمانہ کے جمعیۃ العلماء کے دستور میں مقصد "نصب العین" کے تحت غالباً پہلی ہی دفعہ کے الفاظ یہ تھے:

"شرعی نصب العین کے مطابق ہندوستان کی مکمل آزادی۔"

بہرحال ملک کی آزادی کے بارہ میں جمعیۃ العلماء کا ایک خاص تصور تھا اور اسی تصور کی بناء پر اس کے اکابر و رہنما آزادی کی جدوجہد کو اپنے لئے جہاد فی سبیل اللہ سمجھتے تھے اور اسی نیت سے اس کے راستہ میں قربانیاں دیتے تھے۔

شدھی سنگٹھن کی تحریک کا دور:

تحریک خلافت کے اضمحلال اور پھر خاتمہ کے بعد کئی برس تک بعض ایسے اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کا محاذ ٹھنڈا ہورہا تھا۔ اسی زمانہ میں آریہ سماجوں کی اٹھائی ہوئی شدھی سنگٹھن تحریک کے نتیجہ میں ہندو مسلم اتحاد بھی درہم برہم ہوگیا۔ اور دین کی فکر رکھنے والے مسلمانوں کو دین کی حفاظت کے لئے اس تحریک کے جوابی اقدامات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس دور میں جمعیۃ العلماء کی بھی مساعی زیادہ تر اسی شعبہ کی طرف مصروف رہیں۔ اسی زمانہ میں جمعیۃ العلماءؒ نے اپنا اخبار "الجمعیۃ" نکالنے کا فیصلہ کیا [1]۔ مولانا مودودی اس کے ایڈیٹر تھے۔ میں نے سب سے پہلے ان کا نام "الجمعیۃ" ہی پر دیکھا تھا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے اس زمانہ میں انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کا محاذ ٹھنڈا تھا۔ کانگریس کی طرف سے بھی کوئی تحریک جاری نہیں تھی۔

سنہ ۱۹۳۰ء سے جنگ آزادی کا پھر آغاز:

۳۰ء میں کانگریس نے انگریزی حکومت کے خلاف پھر آزادی کی جنگ شروع کی۔ جمعیۃ العلماء نے بھی اپنے امروہہ کے اجلاس میں اس جنگ میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کا فیصلہ کیا اور وہ پھر کانگریس کے ساتھ جنگ کے میدان میں آگئی۔

اس دور میں میرا حال اور مشاغل:

عرض کیا جا چکا ہے کہ راقم سطور بھی جمعیۃ العلماء سے وابستہ تھا۔ میری یہ وابستگی اگرچہ ذہنی اور فکری لحاظ سے بہت عمیق اور

لہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی تحریک خلافت کے سخت مخالف تھے، انہوں نے اس سلسلہ میں حسب عادت متعدد رسالے بھی لکھے تھے لیکن مولانا مختار احمد میرٹھی وغیرہ ان کے بعض خلفا نے اس مسئلہ میں ان سے گویا بغاوت کردی تھی۔

لہ الجمعیۃ کا اجراء غالباً ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ اس سے پہلے جمعیۃ کے اکابر نے ایک اخبار "مسلم" کے نام سے بھی نکالا تھا۔ غالباً یہ ۲۰ء سے ۲۳ء تک جاری رہا۔ اس کے ایڈیٹر بھی مولانا مودودی ہی تھے۔

راسخ تھا اور میں ملک کی آزادی کے سلسلہ میں اس کی جدوجہد اور قربانیوں کو پورے یقین و اطمینان کے ساتھ "فی سبیل اللہ" ہی جانتا اور سمجھتا تھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس کی اس سیاسی جدوجہد میں میرا عملی حصہ بس برائے نام ہی رہا۔

اسی دور میں تعلیم و تدریس میرا خاص مشغلہ تھا۔ اس کے علاوہ آریہ سماجوں کی برپا کی ہوئی "شدھی" کی تحریک نے (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) اس زمانہ میں آریہ سماج اور مسلمانوں کے درمیان مناظرہ مباحثہ کا بازار گرم کر دیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے اس میدان میں اسلام کی وکالت و حمایت کی کچھ صلاحیت عطا فرمائی تھی، اس لئے میں اس میں بھی حصہ لیتا تھا۔ قادیانی فتنہ اور قادیانی مبلغین کی سرگرمیاں بھی اس زمانہ میں عروج پر تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے مقابلے اور ان کے فتنہ سے امت کی حفاظت کی خدمت کی توفیق بھی اس عاجز کو عطا فرمائی تھی۔

نیز قریباً اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نجد کی "وہابی حکومت" کے اس وقت کے فرمانروا سلطان عبدالعزیز بن سعود نے، شریف حسین کو (جس نے جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کی مدد سے سلطنت عثمانیہ ترکی اور خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کر کے حجاز مقدس پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی) حرمین شریفین اور پورے علاقۂ حجاز سے بیدخل کر کے وہاں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اور اپنے مسلک کے مطابق حکومتی طاقت سے وہاں دینی اصلاحات بھی نافذ کیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے وہ قبے بھی تڑوا ڈالے جو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے) مکہ مکرمہ کے قبرستان "جنۃ المعلاۃ" اور مدینہ منورہ کی "جنۃ البقیع" وغیرہ میں بعض اہل بیت نبوی اور صحابہ کرام کی قبروں پر کسی زمانہ میں بنائے گئے تھے۔

مولانا مودودی کے رسالہ "ترجمان القرآن" کا آغاز[1]

غالباً ۱۹۲۳ء شروع ہو چکا تھا حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی نے ایک ادارہ لکھنؤ میں "دارالمبلغین" کے نام سے قائم کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند جیسے دینی مدارس کے باصلاحیت فارغ التحصیل فضلا کو وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی دعوت و تبلیغ اور بیرونی حملوں اور اندرونی فتنوں سے اس کی حفاظت و مدافعت اور اس کے لئے تحریر و تقریر اور مناظرہ مباحثہ کی تربیت دی جائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس خدمت کے لئے مجھے بھی طلب فرمایا اور اسی سلسلہ سے اس دور میں چند مہینے میرا قیام لکھنؤ میں رہا۔ اس وقت مولانا کا ماہنامہ "النجم" جاری تھا۔ اس کے دفتر میں حیدرآباد (دکن) سے ایک نیا رسالہ "ترجمان القرآن" آنا شروع ہوا جس پر ایڈیٹر کی حیثیت سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نام ہوتا تھا۔ مولانا لکھنوی مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبدالمومن فاروقی مرحوم نے جو خود بھی نوجوان صاحب قلم تھے، اس کا ایک شمارہ دیکھنے کے لئے مجھے دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ایڈیٹر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اللہ تعالےٰ نے دینی مسائل و حقائق کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق سمجھانے کی غیر معمولی صلاحیت اور قدرت عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد سے میں "ترجمان القرآن" کے ہر شمارہ کا منتظر رہنے لگا۔ جب وہ آتا تو مولوی عبدالمومن مرحوم مجھے پہنچاتے اور میں بڑے ذوق شوق اور اہتمام سے اس کا مطالعہ کرتا۔

بریلی سے الفرقان کا اجراء

لکھنؤ کے اپنے اس قیام ہی کے زمانے میں میں نے "الفرقان" جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور محرم ۱۳۵۲ھ (مارچ ۱۹۳۴ء) سے بریلی سے اس کا اجرا ہوا۔ اور اب "ترجمان القرآن" اس کے تبادلے میں میرے پاس براہ راست آنے لگا۔ وہ مجھے اتنا عزیز تھا اور میں اس کا ایسا عاشق تھا کہ اس سے پہلے پورے ایک سال کے شمارے (جو میں نے لکھنؤ میں دیکھے تھے اور میرے پاس نہیں تھے) وہ بھی میں نے دفتر "ترجمان القرآن" حیدرآباد سے بقیمت منگوا لئے اور اس کا پورا فائل اپنے پاس رکھنا ضروری سمجھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ترجمان القرآن کے مطالعہ سے قلب میں مولانا مودودی صاحب کی وقعت اور ان کے ساتھ محبت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ میں ان کو اس دور میں "متکلم اسلام" لکھتا تھا اور نجی طور پر اور الفرقان کے ذریعہ بھی "ترجمان القرآن" کے مطالعہ کی لوگوں کو ترغیب و دعوت دیتا تھا۔ اس وقت "ترجمان القرآن" خالص علمی اور دینی رسالہ تھا جس میں ملک کی سیاسی تحریکات اور پولیٹکل معاملات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا تھا۔ "حکومت الٰہیہ" "اقامت دین" "اسلامی نظام" یا کسی جماعت کی تشکیل و تنظیم جیسے مسائل کا بھی جہاں تک یاد ہے کوئی ذکر اس دور میں "ترجمان القرآن" کے صفحات میں نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک

---

[1] رسالہ "ترجمان القرآن" دراصل ایک دوسرے صاحب نے جو غالباً ابو محمد مصلح کے نام سے معروف تھے حیدرآباد سے جاری کیا لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکا تو انہوں نے کسی معاملہ اور معاہدہ کے ساتھ وہ مولانا مودودی کے سپرد کر دیا جن کا قیام اس زمانہ میں حیدرآباد میں تھا۔ مولانا مودودی کی ادارت میں وہ شروع ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۳ء) میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ — نعمانی

کہ "ترجمان القرآن" کے اجرا کے چوتھے سال ۱۹۳۶ء میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی بنیاد پر ہندوستان میں پہلا جنرل الیکشن ہوا۔ (اس وقت "جداگانہ انتخاب" کا طریقہ رائج تھا یعنی مسلمان نمائندوں کو صرف مسلمان منتخب کرتے تھے اور ہندو نمائندوں کو ہندو)۔ اس الیکشن کے نتیجہ میں ملک کے سات صوبوں میں کانگرس کو مطلق اکثریت حاصل ہوگئی اور ان صوبوں میں بلا شرکت غیرے اس کی گورنمنٹیں قائم ہوگئیں جن میں مسلم اکثریت کا ایک صوبہ سرحد بھی شامل تھا۔

باقی صوبوں میں بعض دوسری پارٹیوں کی مشترکہ گورنمنٹیں قائم ہوئیں۔ یہ صوبائی گورنمنٹیں قانونی حیثیت سے زیر سایہ برطانیہ ہونے کے باوجود بڑی حد تک خود مختار تھیں۔

اس مرحلہ پر ہم جیسوں کے لئے دو حقیقتیں بالکل کھل کر سامنے آگئیں۔ ایک یہ کہ انگریزی اقتدار سے ملک کے بالکل آزاد ہوجانے کی منزل اب زیادہ دور نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ انڈین نیشنل کانگرس[1] کی قیادت میں آزادی کی تحریک جس طرح چل رہی ہے اس کے نتیجہ میں جو آزادی حاصل ہوگی اور جو جمہوری قومی حکومت قائم ہوگی وہ ہم مسلمانوں کی آرزوؤں اور امیدوں کے مطابق نہ ہوگی بلکہ اس میں ان کی تہذیب اور ان کے ملی تشخص کے لئے نئے نئے خطرات پیدا ہوجائیں گے۔

۳۶ء کے الیکشن کے بعد ملکی سیاست پر مولانا مودودی کے مضامین۔

مولانا مودودی نے اسی وقت ترجمان القرآن میں اس موضوع پر لکھنا شروع کیا۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ قلم کے بادشاہ ہیں۔ ان کے یہ مضامین جن میں ہندوستان میں آنے والے انقلاب کی تصویر کشی اور مسلمانوں کے متعلق خطرات کی نشاندہی کی گئی تھی قوت استدلال کے لحاظ سے بہت ہی محکم اور بڑے مؤثر تھے۔ راقم سطور بھی غیر معمولی طور پر ان سے متاثر ہوا۔ دوسرے بہت سے مسلم اخبارات و جرائد نے بھی اپنے صفحات میں ان مضامین کو شائع کیا۔ یہاں تک کہ "جمعیۃ العلماء" کے اخبار "الجمعیۃ" میں بھی اس کی پہلی دو تین قسطیں شائع ہوئی تھیں۔ الفرقان میں بھی یہ مضامین برابر نقل ہوتے رہے اور یہ عاجز ان کی تائید میں خود بھی برابر لکھتا رہا[1]۔

مولانا مودودی سے ذاتی ربط و تعلق

اسی زمانہ میں مولانا مودودی سے تعلقات بڑھے اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر ایک مرحلہ آیا جب ہمارے درمیان خط و کتابت سے یہ طے ہوا کہ ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں جو نظریات ترجمان القرآن اور الفرقان میں پیش کئے جارہے ہیں ان کو ایک تحریک بنا کر آگے بڑھانے کے لئے عملی جدوجہد کا کوئی لائحہ اور منصوبہ بنایا جائے۔ مولانا مودودی نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ اب وہ اس کا عزم کرچکے ہیں اور اس کام کے لئے ریاستی علاقہ (حیدرآباد) چونکہ مناسب نہیں ہے اس لئے پنجاب میں ایک مقام کو اپنی سکونت اور اس کام کے مرکز کے لئے وہ تجویز کر چکے ہیں اور وہاں منتقل ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اسی زمانہ میں انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ میں فلاں تاریخ کو دہلی پہنچ رہا ہوں اور میرا قیام محلہ چوڑی والان شمس کا بج میں ہوگا (یہ مولانا کا سسرالی مکان تھا۔

مودودی صاحب سے پہلی ملاقات:

میں یہ بات کچھ ہی دن پہلے سن چکا تھا کہ مولانا کے ایمان افروز مضامین سے ان کے طرز زندگی کے بارے میں جو اندازہ کوئی لگا سکتا ہے ان کا طرز زندگی اس سے بہت مختلف ہے یعنی جس اسلامی زندگی کے وہ پرزور داعی ہیں خود ان کی وہ زندگی نہیں ہے۔

مولانا کی حیدرآباد سے "دارالاسلام" منتقلی:

اس کے کئی مہینے بعد وہ وقت آیا کہ مولانا حیدرآباد سے منتقل ہوکر پٹھان کوٹ کے قریب "دارالاسلام" نامی اس نو تعمیر بستی میں آ گئے جس کو وہاں کے ایک مخلص صاحب خیر چوہدری نیاز علی خاں صاحب نے اسی نیت سے بنایا اور وقف کیا تھا کہ اللہ کے کچھ بندے یہاں قیام کرکے دین کی کوئی ٹھوس خدمت انجام دیں۔

کچھ عرصہ بعد مولانا مودودی صاحب نے اپنی تحریک دارالاسلام اور اپنے کام کا جا…

---

۱ واضح ہے کہ کانگرس اپنے دستور اور تعامل کے مطابق ہندوستان کے سب فرقوں کی مشترک جماعت تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی مفتی کفایت اللہ جیسے اکابر علماء نہ صرف

بقیہ حاشیہ: اس میں شریک بلکہ اس کے عہدیدار تھے۔

۱ اس سلسلہ مضامین میں ایک مرحلہ پر مولانا مودودی نے "اعلاء کلمۃ اللہ" کو مسلمانوں کا واحد نصب العین قرار دے کر اس کے لئے مولانا آزاد مرحوم کی "حزب اللہ" کی تنظیم کے طرز پر مسلمانوں کی ایک جماعت بنانے کی اسکیم بھی پیش کی تھی۔

۱ یہ واقعہ ۱۹۳۸ء کا ہے جبکہ "ترجمان القرآن" ۵ سال پہلے سے جاری تھا اور اس کے ایمان افروز مضامین نے ہم جیسوں کو ان کا گرویدہ اور نادیدہ عاشق بنا دیا تھا۔

"ترجمان القرآن" میں شائع کیا اور اپنے ہم خیال دوستوں کو دعوت دی کہ وہ فلاں تاریخ کو "دارالاسلام" میں جمع ہوں اور اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے ایک جماعت یا ادارہ کی باقاعدہ تنظیم وتشکیل ہوجائے۔

تحریک دارالاسلام کے سلسلہ میں پہلا اجتماع

میری مایوسی اور معذرت:

اس وقت اس عاجز کو مولانا کے بنائے ہوئے کام کے خاکہ سے اصولی درجہ میں پورا اتفاق تھا۔ بہرحال مقررہ تاریخ پر یہ عاجز بھی دارالاسلام پہنچا۔

دارالاسلام کے بانی چودھری نیاز علی خاں صاحب اس عاجز کے بارہ میں کچھ غائبانہ واقفیت رکھتے تھے، اسی موقع پر یہاں سے پہلی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی مولانا کے بارہ میں فکرمندی کے ساتھ اسی احساس و تاثر کا ذکر کیا جو میرا تھا۔ (چودھری صاحب خود متشرع اور خوش اوقات تھے)۔

(باقی باقی)

"دارالاسلام" اور اس کے بانی چودھری نیاز علی خاں مرحوم:

۱۔ یہ "دارالاسلام" کوئی بسی بسائی بستی اور آبادی نہیں تھی، اس کی حقیقت بس یہ تھی کہ پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور کے قریب ایک مختصر سی بستی جمال پور کے رہنے والے چودھری نیاز علی خاں صاحب اور ان کے بھائی چودھری عبدالرحمان خاں نے (یہ دونوں بہت نیک دل اور باتوفیق تھے اور اللہ تعالیٰ نے بڑی دولت سے بھی خوب نوازا تھا، ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ سے عقیدت و نیازمندی کا خاص تعلق رکھتے تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے) جمال پور کے قریب ہی اپنی جائیداد کا ایک وسیع قطعہ وقف کرکے اس میں دو رہائشی مکان اور چند کوارٹر اور ایک مسجد بنوادی تھی اور اس سب کو فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا، اور چاہتے تھے کہ یہاں کوئی اچھا دینی کام ہو۔ مکانات اور مسجد کے اس مجموعہ کا نام ہی "دارالاسلام" تھا۔ چودھری نیاز علی خاں صاحب رسالہ "ترجمان القرآن" کے مطالعہ ہی سے مولانا مودودی صاحب سے واقف اور ان کے قدردان تھے، اسی لئے انہوں نے ان کو حیدرآباد سے یہاں آکر قیام کرنے اور دین کا کام کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے مشورہ کو بھی خاص دخل تھا۔

"دارالاسلام" کے بانی چودھری نیاز علی خاں صاحب کا جب ذکر آگیا تو جی چاہتا ہے کہ ان کا کچھ مزید تعارف کرادیا جائے۔ چودھری صاحب ایک بڑے زمیندار ہونے کے علاوہ ریٹائرڈ ایک بڑے سرکاری افسر بھی تھے۔ ان

بقیہ حاشیہ کالم گذشتہ

کے دل میں دین کی خدمت کی سچی تڑپ تھی۔ ملک کی تقسیم کے بعد جب پورے مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے تخلیہ کا فیصلہ ہوگیا تو چودھری صاحب بھی پاکستان منتقل ہوگئے۔ وہاں بھی انہوں نے "جوہرآباد" میں "دارالاسلام" ہی کے طرز کی ایک بستی بنائی۔ راقم سطور (محمد منظور نعمانی) اور رفیق محترم مولانا علی میاں کو برابر خطوط لکھتے رہے کہ آپ دونوں کی یہاں ضرورت ہے اور یہاں کام کا میدان ہے۔ میں نے آپ کے لئے پورے انتظامات کرلئے ہیں۔ (یہ وہ وقت تھا جب ہندوستان کے مسلمان برابر پاکستان جارہے تھے)۔ آخر میں چودھری صاحب نے دستی خط لیکر ایک آدمی بھیجا اور تفصیل سے لکھا کہ آپ لوگوں کے لئے یہاں یہ یہ انتظامات کرلئے گئے ہیں آپ دونوں مع اہل وعیال کے چلے آئیے۔ اس آخری دستی خط کے جواب میں اس عاجز نے چودھری صاحب کے اخلاص کا اعتراف اور حسن ظن اور عنایت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ ہم نے متوکلاً علی اللہ طے کرلیا ہے کہ جب تک ہندوستان میں کچھ بھی مسلمان ہیں ہم ان کی خدمت کے لئے یہیں رہیں گے۔ چودھری صاحب کی عمر تقسیم کے وقت اسی سے متجاوز رہی ہوگی لیکن ہمت کے جوان تھے۔ پاکستان پہنچنے کے بعد بھی مدت تک حیات رہے اور دین کی فکر اور خدمت کی دھن ان کے ساتھ رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خاص الخاص معاملہ فرمائے۔ نعمانی

خوشخبری

ہم اپنے کرم فرماؤں کو یہ خوشخبری سناتے ہوئے فخر محسوس کررہے ہیں کہ ہم موٹرسائیکل کاواساکی۔ یاماہا۔ سوزوکی اور ہنڈا کے مختلف سائزوں میں کیریئر مارکیٹ میں لارہے ہیں۔ اپنے آرڈر سے جلد مطلع فرمائیں۔ سالہا سال سے سائیکلوں کے خوبصورت اور پائیدار سٹینڈ کیریئر پیش کررہے ہیں

پروپرائٹر: محمد نسیم بھٹی

الفرید سٹیل پروڈکشن

پاکپتن روڈ، عارف والا، ساہیوال

نرخنامہ اشتہارات

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
چوک رنگ محل، لاہور - ۸

اکتوبر ۱۹۷۹ء سے نافذ

مکمل آخر سرورق کا صفحہ	۷۰۰ روپے	نصف	۳۵۰ روپے
" آخر سرورق سے پہلا صفحہ	۶۰۰ روپے	نصف	۳۰۰ روپے
" اندرون عام صفحہ	۵۰۰ روپے	نصف	۲۵۰ روپے
فی سینٹی میٹر سنگل کالم	۶ روپے	یا ۱۵ روپے فی سنگل کالم انچ	

زیر معاہدہ اشتہارات پر رعایت

سال میں کم از اشاعت ... ... ۳۷۵ سینٹی میٹر پر

رعایت
۲۰ فی صد

رابطہ کے لئے

شعبہ اشتہارات، ہفت روزہ ترجمان اسلام
چوک رنگ محل، لاہور - ۸ ٹیلی فون - ۶۷۷۱۵

بسلسلۂ انقلابی مسلمان

ظہور الدین بٹ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ

۱۹۱۵ء کا ذکر ہے۔ سرحد میں مسلمان سرفروش انگریزوں کے خلاف دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ ان کی جہاد سے متعلق خبریں ہندوستان میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو متواتر مل رہی تھیں۔ انہیں دنوں آپ کو انقلابی مسلمانوں کا یہ پیغام ملتا ہے کہ ہم رسد اور کارتوسوں کے ختم ہو جانے کی وجہ سے سخت مجبور رہیں۔ جب تک ان کا انتظام نہیں ہو جاتا ہم انگریزوں کا مقابلہ جاری نہیں رکھ سکتے۔

ہمارے پاس حریت پسندوں کی کمی نہیں ہے مگر اسلحہ اور رسد کے بغیر ہم بالکل بے دست و پا ہیں۔ ساتھ لائی ہوئی روٹیوں کے خالی ہو جانے پر مجاہدین کو اپنے گاؤں جانا پڑتا ہے اور مورچہ خالی ہو جاتا ہے اور کارتوس کے ختم ہو جانے پر مجاھد بے ہتھیار ہو جاتا ہے۔ اگر کارتوس اور رسد کافی مقدار میں ہو تو توپوں، مشین گنوں اور ٹینکوں وغیرہ کا ہم بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ جلد از جلد کسی حکومت کو ہماری پشت پناہی اور امداد کے لئے تیار کیجئے۔"

اس اطلاع کے ملنے پر مولانا محمود حسنؒ نے غالباً سرحد کے غازیوں کے ساتھ مل کر جہاد جاری رکھنے کا ارادہ بدلا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کابل بھیجنے اور خود استنبول جانے کا مصمم ارادہ کیا۔ آپؒ نے اپنے اس ارادہ سے رفقاء کو آگاہ کیا، تو انہوں نے بھی اس بات پر زور دیا کہ آپ جلد از جلد انگریزی عملداری سے نکل جائیں۔ چنانچہ آپؒ نے حجاز جانے کا پروگرام مرتب کیا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ۱۸۵۱-۵۲ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا ذوالفقار علی کا تعلق دیوبند ضلع سہارنپور کے عثمانی شیوخ کے ایک معزز اور ذی وجاہت گھرانے سے تھا۔ آپؒ کے والد جو محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی سب انسپکٹر تھے ایک عرصے سے بریلی میں مقیم تھے۔ انہیں علوم عربیہ خصوصاً ادبیات عربیہ فارسیہ اور اردو میں مہارت حاصل تھی اور کئی کتب کے مصنف بھی تھے۔

مولانا محمود حسنؒ کی عمر پانچ یا چھ سال کی تھی کہ ان کا تبادلہ ۱۸۵۷ء کے واقعہ سے قبل میرٹھ ہو گیا۔ اس لئے آپؒ جنگِ آزادی کے دوران کبھی میرٹھ اور کبھی دیوبند رہے۔ آپ نے قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی تعلیم ایک نہایت دیندار بزرگ میاں جی منگلوری سے پائی اور کتب عربیہ کا علم اپنے چچا مہتاب علی سے حاصل کیا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند میں مدرسہ عربیہ قائم کیا تو آپ ان کے پہلے طالب علموں میں سے تھے جن سے آپ نے صحاح ستہ اور دیگر علوم کی اعلیٰ کتب پڑھ کر فیوض و برکات حاصل کیا جبکہ بعض کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔

فراغت تحصیل سے قبل ہی مدرسہ میں بطور معین المدرسین درس دینا شروع کر دیا۔ بائیس سال کی عمر میں آپ کو علما حقانی کے ہاتھوں دستار فضیلت اور سند عطا ہوئی دو سال بعد بزرگوں کی تجویز پر باقاعدہ مدرس چہارم مقرر ہوئے اور ہر قسم کی متوسط اور اعلیٰ کتب آپ کے زیر درس رہیں۔

چوبیس سال کی عمر میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ و رشید احمد گنگوہیؒ، جنہوں نے تھانہ بھون اور شاملی کے جہاد میں انگریزوں کو نیچا دکھایا تھا کی سرکردگی میں حج بیت اللہ اور زیارت حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شوق میں روانہ ہوئے اور اپنے زمانے کے قطب العالم مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ارشاد پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد بعافیت ملک واپس پہنچے اور بدستور درس و تدریس کے

شغل میں مصروف ہو گئے۔ اسی زمانہ میں اپنی مشہور کتاب "ایضاح الادلہ" کے ابتدائی اجزا تحریر فرمائے۔ اپنے استاد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جن سے آپ کو عشق کے درجے کا پیار تھا، کی وفات کے بعد تمام مشاغل ترک کر کے عزلت گزینی اختیار فرمائی۔

ایک ماہ بعد مولانا رفیع الدین مہتمم دارالعلوم کے اصرار و ارشاد پر پھر تدریس کا کام شروع کیا اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم ظاہرہ کی تدریس میں مشغول رہے۔ تھوڑے عرصہ بعد مقامات طریقت طے کر کے مستحق خلافت ہو گئے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حسب عادت جناب حاجی امداد اللہ صاحب کو لکھا کہ مولوی محمود حسن کو ملکہ یادداشت حاصل ہو گیا ہے۔ آپ ان کو اجازت دیدیں۔ چنانچہ وہاں سے اجازت آگئی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی وفات اور مولانا سید احمد دہلویؒ کے بھوپال چلے جانے کے بعد ۱۳۰۵ھ میں باتفاق آرا اراکین دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ تقریباً چالیس سال تک علوم کی نشر و اشاعت فرماتے رہے۔ آپ کے حلقہ درس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، موصل، بصرہ، بلخ، بخارا، ہرات، قندھار، کابل اور ترکستان کے طلباء شامل رہے جنہوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے کلام میں خاص اثر تھا جس کے سبب آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی کے معانی اور مضامین طلبہ کے دل و دماغ میں اُتر جاتے تھے۔ جوانی کے ایام میں دن رات کے اکثر اوقات درس و تدریس کے شغل میں گزرتے جبکہ اخیر ایام میں صرف دو تین گھنٹے جامع ترمذی اور صحیح بخاری کا درس دیتے تھے۔

تواریخ عالم پر بالعموم اور تاریخ اسلام پر بالخصوص آپ کی گہری نظر تھی۔ اساتذہ کلام میں مرزا غالب سے بہت زیادہ مناسبت تھی۔ طبیعت نہایت سادہ اور متواضع تھی۔ غرور اور تکبر نام کو نہ تھا۔ آپ کی ظاہری وضع قطع اور چال ڈھال میں نمود، ریا اور بڑائی کا شائبہ تک نہ تھا جبکہ قدرت نے آپ کو پختہ عزم اور یقین صادق سے نوازا تھا۔

یو۔پی میں ناگرہ (۱۹۰۰ء) کے واقعے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ اور مہاسبھا، پھر مسجد کانپور اور کلکتہ میں توہین جناب سرور کائنات سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنہ، ترکی کے ساتھ ناانصافی خصوصاً طرابلس اور بلقان کی جنگوں کے نتیجہ میں تقسیم ممالک اسلامیہ کے واقعات نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے دل میں بے چینی اور نیند حرام کر دی۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا حاجی امداد اللہؒ جیسے حریت پسند اور جید علماء کی صحبت نے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف علم آزادی بلند کیا تھا نیز شاملی اور تھانہ بھون پر انگریزی اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا، آپ کے سینے میں آزادی اور جہاد کی شمع روشن کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تمام زندگی انگریزوں کے خلاف برسرپیکار رہے۔

مولانا محمود حسنؒ چونکہ تقریباً پچاس سال تک درس و تدریس کے شغل میں مصروف رہے اس لئے آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر گئی جنہیں آپ نے اپنا ہم خیال بنا کر تحریک آزادی کے عظیم مشن میں شریک کیا جن میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ سب سے نمایاں ہیں۔

تحریک کا آغاز:

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا خیال درست تھا کہ انگریزوں کو طاقت کے سوا نہ ہندوستان سے نکال باہر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ملک کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔ اس لئے ان کی نظریں سرحد کے انقلابی مسلمانوں پر لگی ہوئی تھیں جو آزاد قبائل میں آزادی کی ایک صدی پرانی جد و جہد کو اپنے خون سے فروزاں کئے ہوئے تھے۔

آپ نے انہیں نئے سرے سے منظم کرنے اور ان میں جہاد کی نئی روح پھونکنے کے لئے ایک پروگرام مرتب کیا جس کے تحت فیصلہ کیا گیا کہ ان علاقوں کے باشندوں کے درمیان موجود آپس کے پرانے جھگڑے، شخصی اور قبائلی دشمنیوں کو مٹایا جائے۔ مجاہدین اور آزاد قبائل کے مابین اتحاد و ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ ان میں جوش جہاد اور آزادی کی تڑپ پیدا کی جائے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین کے بچے کھچے لوگ جو ستانہ اور چمرقند میں مقیم ہیں، ان کے اور بعض قبائل کے درمیان موجودہ رنجشیں اور ناراضگیاں دور کی جائیں۔

آپ تمام عمر انگریزوں کے خلاف برسرپیکار رہے۔

ان مقاصد کے پیش نظر مولانا سیف الرحمٰن کو دہلی سے، مولانا فضل ربی اور مولانا فضل محمود کو پشاور سے ان علاقوں میں بھیجا نیز مولانا محمد اکبر کو بھی اس کام پر آمادہ کیا گیا۔ خود شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے بے شمار شاگرد اور مخلصین سرحد کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے ان سب نے مل کر گاؤں گاؤں، قریہ قریہ اور قبیلہ قبیلہ میں گھوم پھر کر زمین ہموار کی۔

اس دوران ترکوں کو جنگ پر مجبور کر دیا گیا۔ اعلان جنگ کرنے پر ترکی پر بہ یک وقت مختلف محاذوں سے حملہ کیا گیا۔ انگریزوں نے عراق، عدن اور سوئز پر اور روس نے بھی اسی طرح تین چار محاذ کھول دیئے۔ ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تشویش بجا تھی۔

چنانچہ شیخ الہند نے حاجی ترنگ زئی کو ان واقعات سے مطلع کرتے ہوئے ضروری قرار دیا کہ وہ یاغستان چلے جائیں اور ضروری کارروائی عمل میں لائیں۔ اسی طرح آپ نے مرکز یاغستان کے مجاہدین کو بھی ہدایات تحریر کیں۔

جب حاجی ترنگ زئی مرکز یاغستان پہنچے تو مجاہدین کی ایک بڑی تعداد مجتمع ہو چکی تھی۔ کچھ عرصہ بعد سید احمد شہید کی جماعت کے مجاہدین بھی پہنچ گئے۔ بالآخر انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ مجاہدین کو غیر متوقع کامیابیاں نصیب ہونے لگیں اور انگریزوں کو بے پناہ فوجی، جانی اور مالی نقصان برداشت کر

پے در پے ناکامیوں نے انگریزوں کو سہ رخی پالیسی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

کے پسپا ہونا پڑا۔

ان ناکامیوں کے بعد انگریزوں نے سہ رخی پالیسی اختیار کی۔ انہوں نے فوجوں کے ذریعے بڑے پیمانے پر لشکر کشی کی۔ عوام میں پروپیگنڈا کیا کہ یہ لوگ قطعی طور پر جہاد نہیں کر رہے کیونکہ بادشاہ کے بغیر جہاد نہیں ہوتا اور بادشاہ کی عدم موجودگی میں جہاد حرام ہے۔ اس کے علاوہ انقلابیوں کو قابو میں کرنے کے لئے انگریزوں نے پانی کی طرح مال و زر لٹایا اور قبائل کو خریدنے کی کوشش کی۔

ہندوستان میں انگریزوں نے مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ترکوں کو جنگ پر ہم نے مجبور نہیں کیا۔ یہ جنگ سیاسی ہے مذہبی نہیں، حالانکہ فتح بیت المقدس کے موقع پر وزیر اعظم انگلستان لائڈ جارج نے اپنے ایک بیان میں اس کو صلیبی جنگ قرار دیا تھا۔

انگریزوں نے مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ پر (مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مذہبی مقامات پر) بمباری نہیں کی جائے گی، مگر اس کے برعکس کیا۔

حجاز کو روانگی

سرحد میں انقلابیوں کی کامیابیوں سے حکومت بوکھلائی ہوئی تھی اور معمولی شبہ پر لوگوں کی گرفتاریاں جاری تھیں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کی اطلاعات ہندوستان اور سرحد (یاغستان) میں بڑی خطرناک تھیں۔ ان کی نگرانی کی جارہی تھی۔ حجاز روانگی سے قبل تحریک قیادت مولانا عبدالرحیم رائپوری کے سپرد ہوئی۔

اس سلسلہ میں تفصیلات مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں طے ہوئیں جہاں شوال ۱۳۳۳ھ کے پہلے ہفتہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبند سے، مولانا عبدالرحیم رائپوری رائپور سے اور مولانا احمد رامپور سے تشریف لائے۔ چاروں حضرات مظاہر العلوم کے کتب خانہ میں اوپر تشریف لے جاتے اور سب طرف کے کواڑ اندر سے بند ہو جاتے تھے۔ پانچویں کا وہاں گذر نہ تھا۔ آپ حضرات چاء اور اشراق کی نماز کے بعد کتب خانے میں جمع ہو جاتے اور بمشکل تمام ظہر کی اذان سے پندرہ بیس منٹ قبل اوپر سے نیچے اترتے۔ کچھ گرم کچھ ٹھنڈا نوش فرما کر اور ظہر کی نماز پڑھ کر پھر کتب خانے میں پہنچ جاتے۔

جب آپ نے رخت سفر باندھا تو حکومت کو شبہ ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ حکومت ترکی جنگ میں شریک ہے لہذا شیخ الہند کہیں ان سے ساز باز کر لیں، اس لئے انہیں گرفتار کر لینا چاہئے۔ حکومت نے مولانا محمود حسن کی گرفتاری کے احکامات جاری کئے۔ کوششیں جاری رہیں مگر آپ بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں کئی ہندوستانی تاجر کاروبار کرتے تھے۔ ان میں دہلی کے حاجی علی جان معروف تھے۔ دین داری، علمی اور کاروباری لحاظ سے بھی وہ حکام اور مقامی لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس خاندان کا سید احمد شہید اور مجاہدین ستیانہ سے قدیمی تعلقات تھے۔

شیخ الہند مکہ معظمہ پہنچے تو انہوں نے حافظ عبدالجبار جو اس خاندان میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے "سے ملاقات" کی اور گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات کرانے کی درخواست کی۔

حافظ عبدالجبار نے شیخ الہند کی مدد کے لئے ایک ہندوستانی معاملہ فہم نوجوان تاجر، جو تسبیحوں کی تجارت کرتا تھا اور عربی و ترکی سے بخوبی واقف تھا، کا انتخاب کیا اور اسے مولانا محمود حسن کے ساتھ غالب پاشا سے ملاقات کے لئے روانہ کیا۔

آپ کی ملاقات گورنر حجاز سے ہوئی، نوجوان تاجر نے ترجمان (ٹرانسلیٹر) کے فرائض انجام دیئے۔ غالب پاشا نے بغور آپ کی باتیں سنیں اور دوسرے دن دوبارہ ملاقات کا وقت دیا۔ شیخ الہند کی واپسی کے بعد غالب پاشا نے ہندوستان کے تاجروں سے مولانا محمود حسن کے بارے میں تحقیق کی۔

اگلے دن جب شیخ الہند ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو غالب پاشا بڑے اعزاز اور تپاک سے ملا۔ دیر تک تحریک آزادی اور مشن کی تفصیلات پر گفتگو ہوئی۔ آپ نے انور پاشا سے ملنے پر اصرار کیا تو گورنر حجاز نے ایک تحریر گورنر مدینہ منورہ بصری پاشا کو لکھی اور کہا کہ انہیں احترام اور اعزاز کے ساتھ استنبول انور پاشا کے پاس پہنچا دو۔

غالب پاشا نے آپ سے ہر قسم کی امداد

کا وعدہ کیا اور شیخ الہندؒ سے کہا کہ وہ ہندوستان کو مکمل آزادی کے لئے تیار کریں۔ عنقریب جب صلح کی مجلس منعقد ہوگی تو ہم اور حلیف جرمنی اور آسٹریلیا ہندوستان کی مکمل آزادی کے لئے جدوجہد کریں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہندوستانی رہنما انگریزوں کی ڈپلومیسی کے تحت ان کی تابعداری پر راضی ہوجائیں تمام ہندوستانیوں کو تقریروں، تحریروں کے ذریعے اندرون و بیرون ہندوستان ایک زبان اور ایک قلم ہو کر یہ مطالبہ جاری رکھنا چاہیئے۔

شیخ الہندؒ نے غالب پاشا پر واضح کیا: اس وقت انگریز مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں اپنے رفقاء کو اس کام کے لئے ہندوستان بھیجنے کو تیار ہوں۔ میں خود ہندوستان کے مغربی حدود سے جانا چاہتا ہوں جہاں میرے مشن کے لوگ تحریک آزادی میں مصروف ہیں۔ چند روز کے مختصر قیام کے دوران آپ نے غالب پاشا سے دو تین ملاقاتیں کیں۔ پھر غالب پاشا طائف کے لئے اور آپ مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے۔

آپ نے اپنے تمام ساتھیوں مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا محمد میاںؒ اور مولانا سہولؒ کو مدینہ منورہ سے ہندوستان کے لئے روانہ کر دیا۔ اسی دوران آپؒ نے مولانا مرتضیٰ حسن کو دیوبند کے مرکز پر بعض امور کی نگرانی تفویض فرمائی اور مولانا محمد میاں کو غالب پاشا کی تحریر دے کر انہیں بھی بعض انتہائی اہم امور کی نگرانی پر مامور فرمایا۔

شیخ الہندؒ مدینہ منورہ سے استنبول جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اچانک اطلاع ملی کہ انور پاشا اور جمال پاشا (وزراء جنگ) مدینہ منورہ آرہے ہیں۔

اس اطلاع کے ملنے پر شہریوں نے ان کے استقبال کی تیاریاں شروع کردیں۔ انور پاشا ان دنوں ترکی کے وزیر جنگ تھے اور جمال پاشا چوتھے ڈویژن کے کمانڈر۔ تمام محاذوں کا دورہ کرنے کے بعد دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کے لئے بذریعہ ٹرین جمعہ کے روز مدینہ منورہ پہنچے۔ اس دوران انور پاشا سے ملاقات کا بندوبست کرایا گیا۔

مقررہ وقت پر شیخ الہندؒ اور مولانا خلیل احمدؒ ملاقات کے لئے پہنچے۔ ایک بند کمرے میں ملاقات کے دوران شیخ الہندؒ نے غالب پاشا گورنر حجاز کا خط ان کو دکھایا۔ جمال پاشا نے آپ کی باتیں اطمینان سے سنیں اور وہی بات دہرائی کہ تحریک مطالبہ آزادی اہل ہند کو متفقہ طور پر جاری رکھنا چاہیئے۔ عنقریب صلح کی مجلس بیٹھے گی۔ ہم اہل ہند کی آزادی کے لئے پوری جدوجہد عمل میں لائیں گے۔ اور ہر ممکن امداد کریں گے۔ آپ نے ایسی تحریر ترکی کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی طلب فرمائی تو جمال پاشا نے کہا "چونکہ یہاں کا قیام حسب پروگرام تھوڑا ہے اور مقامی مشاغل بہت زیادہ ہیں، اس لئے ہم شام (دمشق) پہنچ کر تحریریں مکمل کرکے بھیجدیں گے۔ مولانا محمود حسنؒ نے مطالبہ کیا کہ انہیں حدود افغانستان تک بالا بالا پہنچا دیا جائے۔ ہندوستان کے راستے ان کا یاغستان (مرکز تحریک مجاہدین) پہنچنا غیر ممکن ہے۔

جمال پاشا نے معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کرکے افغانستان کا راستہ کاٹ دیا ہے اور سلطان آباد تک پہنچ گیا ہے اس لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ یا تو آپ جدہ کے راستے سے ہی وطن واپس جائیں اور اگر آپ کو اپنی گرفتاری کا خطرہ ہے تو حجاز یا ترکی عملداری میں جہاں چاہیں قیام کریں۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ

مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے خاص فدائی، نومسلم شاگرد اور تحریک ریشمی رومال کے اہم ترین کردار تھے۔ عرصہ دراز تک اپنے استاد اور مرشد کی خدمت میں رہے۔ انتہائی سمجھدار، ہمت و استقلال کے پیکر اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔

آپ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء میں سیالکوٹ کے گاؤں چیانوالی کے ایک صراف (سنار) گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے تھا۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے چار ماہ قبل انتقال کر گئے۔ دو سال بعد دادا کے انتقال پر ان کی والدہ ننھیال چلی آئیں جن کا تعلق ایک سکھ خاندان سے تھا۔ تیسری جماعت کے طالب علم تھے کہ حقیقت کی جستجو میں ۱۸۸۴ء میں "تحفۃ الہند" پڑھی۔ بعدازاں حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "تقویۃ الایمان" پڑھنے کو ملی تو توحید اور شرک کا علم ہوا۔ خود اپنے شوق سے نماز سیکھی اور "تحفۃ الہند" کے مصنف کے نام پر خود اپنا نام عبیداللہ تجویز کیا۔

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو گھر سے کوٹلہ مغلاں کے عبدالقادر نامی دوست کے ہمراہ نکلے اور کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفرگڑھ پہنچے وہاں ختنہ کرائے اور بعض رشتہ داروں کے تعاقب کرنے پر سندھ کی طرف نکل گئے۔ عربی صرف کی کتب اپنے دوست سے دوران سفر پڑھیں اور حاجی محمد صدیق (بھرچونڈی شریف سندھ والے) کی خدمت میں پہنچ گئے اور انہیں سے قادری سلسلہ میں بیعت کر لی۔

اسی دوران مولانا عبیداللہ نے اپنی تعلیم برابر جاری رکھی۔ ۱۸۸۹ء میں دیوبند پہنچے دارالعلوم میں داخل ہوئے اور تقریباً پانچ ماہ میں قطبی تک منطق کے رسائل متفرق اساتذہ سے پڑھے جبکہ شرح ملا حکیم محمد حسن جانی سے پڑھی۔

حکمت کی منطق کی مزید کتب کا مطالعہ

کے سلسلہ میں چند ماہ مولانا احمد حسن کانپوری کے پاس گزارے۔ وہاں سے مدرسہ عالیہ رامپور پہنچے۔ مولانا ناظر الدین کی خدمت میں رہے اور وہاں سے واپس دیوبند پہنچے۔ دو تین ماہ مولانا حافظ احمد سے علم حاصل کیا اور بعد ازاں شیخ الہندؒ کے درس میں شامل ہو گئے۔

۱۸۹۰ء میں ہدایہ، تلویح، مطول، شرح عقائد اور مسلم الثبوت میں امتحان دیا اور امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ جامع ترمذی مولانا محمود حسنؒ سے پڑھی اور ابوداؤد کے لئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ پہنچے۔

اگلے سال اپنے مرشد سے ملاقات کے لئے بھرچونڈی شریف پہنچے۔ آپ کے مرشد آپ کے سندھ پہنچنے سے دس دن قبل انتقال فرما چکے تھے، لہذا آپ ان کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود کے پاس امروٹ شریف (سکھر) چلے گئے۔ انہوں نے مولانا سندھی کا نکاح سکھر کے اسلامیہ سکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خان یوسف زئی کی لڑکی سے کرا دیا۔ بعد ازاں آپ کی والدہ بھی سکھر پہنچ گئیں اور آخر دم تک مولانا سندھیؒ کے ساتھ رہیں۔

۱۸۹۸ء میں دوبارہ دیوبند پہنچے۔ اپنے مطالعہ کا نمونہ دو رسالے لکھ کر ساتھ لے گئے جن میں سے ایک علم حدیث اور دوسرا فقہ حنفی سے متعلق تھا۔ مولانا محمود حسن نے انہیں بہت پسند فرمایا۔

شیخ الہندؒ نے ۱۹۰۹ء میں مولانا عبیداللہ سندھی کو دیوبند طلب فرمایا اور دیوبند میں کام کرنے کا حکم دیا۔ چار سال تک آپ جمعیۃ الانصار میں کام کرتے رہے۔ اس کی تحریک و تاسیس میں مولانا محمد صادق سندھی اور مولانا ابو محمد احمد لاہوری، مولانا احمد علی آپ کے شریک رہے۔

آپ ۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ کے حکم پر کابل تشریف لے گئے۔ آپ کی ہجرت کا مقصد آزادیٔ ہند کے سوا کچھ نہ تھا۔ سات سال تک کابل میں قیام کے بعد مولانا عبیداللہ سندھیؒ ماسکو تشریف لے گئے جہاں انہوں نے سات ماہ قیام کیا۔ ماسکو سے مولانا ترکی تشریف لے گئے۔ تین سال تک وہاں سکونت کئے رہے۔ بعد ازاں مکہ معظمہ پہنچے جہاں آپ نے زندگی کے بارہ سال صرف کئے۔ اس طرح تقریباً چوبیس، پچیس سال کی زندگی جلا وطنی کی حالت میں گزار کر ۱۹۳۹ء میں واپس ہندوستان پہنچے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے جس جوانمردی اور مستقل مزاجی سے بیرون ملک مصیبتوں اور پریشانیوں کو جھیلا، ملک کی آزادی، ملت اسلامیہ کی سرفرازی اور شاہ ولی اللہؒ کے انقلابی پروگرام کے عملی نفاذ کے لئے جدوجہد کی وہ انہی کا خاصا ہے۔

مولانا سندھی نے کابل پہنچ کر جرمن مشن کو ہندوستان کی آزادی اور مستقبل کے متعلق صحیح صورتحال سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ دلائل کے ساتھ حکمت عملی کو تسلیم کرایا۔ راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ جنہوں نے حکومت موقتہ ہند کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان میں ایک موقع پر جبکہ حکومت روس کے پاس ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ ہوا تو اس وفد میں ایک مسلمان کی شرکت پر اختلاف پیدا ہو گیا تو مولانا اور بعض دیگر بزرگوں کی کوششوں سے یہ مسئلہ حل کر لیا گیا۔ اسی دوران انہوں نے روسی مشن اور ترکی مشن میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اگرچہ موانع خارجیہ کی وجہ سے کامیابی نہ ہو سکی بلکہ بعض ارکان کی کمزوریوں نے نقصان بھی پہنچایا۔

اگرچہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ، امیر حبیب اللہ (افغانستان کا بادشاہ) کو عملی طور پر جنگ آزادی کے لئے آمادہ نہ کر سکے تاہم آپ کی شخصیت اور باتوں نے اس پر گہرا اثر کیا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنے کابل قیام کے دوران عمومی طور پر ارکین دولت افغانیہ کو اپنا ہمخیال بنایا جس کے نتیجہ میں روسی مشن کی واپسی پر امیر حبیب اللہ خان نے جرگہ بلا کر انگریزوں سے جنگ کی رائے لی تو سوائے سردار عنایت اللہ خان تمام لوگوں نے متفقہ طور پر انگریزوں کے خلاف لڑنے کے حق میں فیصلہ دیا۔ امیر حبیب اللہ شوریٰ کے اس فیصلے پر حیران رہ گیا اور اس نے آمرانہ طور پر اس فیصلہ کو رد کر دیا۔

امیر حبیب اللہ کے جلال آباد میں قتل ہونے کے بعد امان اللہ خان امیر سلطنت بنے تو مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے بعض دیگر ساتھیوں کی نظر بندی ختم ہوئی۔ نظربندی کے خاتمے کے بعد آپ نے امیر امان اللہ خاں سے ملاقات کی اور ہندوستانی طرز کی تعلیم گاہ (مدرسہ) کھولنے کی اجازت مانگی۔ امیر امان اللہ خاں نے اجازت دے دی مگر بعد ازاں افغان وزیر نے برطانوی وزیر خارجہ کے دباؤ کے تحت یہ اجازت منسوخ کر دی۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی انقلابی شخصیت نے امیر امان اللہ خاں کو اسقدر متاثر کیا کہ انہوں نے افغانستان کی کامل آزادی اور انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان پر انگریزی حکمران سیخ پا ہو گئے۔ انگریزوں کے خلاف جنگ میں جنود اللہ (مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی جماعت) کے مخلص اور جانباز مجاہدین نے افغان فوج کا ساتھ دیا۔ بالآخر فتح افغانستان کی ہوئی اور انگریزوں کو افغانوں کی فتح تسلیم کرنا پڑی۔ اس پر بمبئی سے سفیر برطانیہ نے کہا تھا کہ

"یہ فتح دولت افغانیہ کی نہیں ہے بلکہ عبیداللہ کی ہے"

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ارکین جنود اللہ اور دیگر ہندوستانی مسلمانوں سے جو اسوقت افغانستان میں مقیم تھے ایسے امور سرانجام دلوائے جن کے لئے افغانستان

دلسوز محمد نعیم ترین

سید اسمٰعیل شہیدؒ اور مقام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

محی السنۃ، قامع البدعۃ، عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجاہد فی سبیل اللہ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہماری تاریخ کی وہ مظلوم ترین شخصیت ہیں جنکو اپنوں اور غیروں سبھوں نے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا اور ان کے عالم جاودانی کو سدھارنے کے باوجود یہ سلسلۂ ناروا جاری رکھا گیا۔

شاہ صاحبؒ کو ایسے دور سے واسطہ پڑا جس میں مسلمان کے وجود تک کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی باہمی آویزش اور خانہ جنگی نے ان کو دنیا کی کمزور ترین قوم بنا دیا تھا، ان کے ملی وجود کی جڑیں کھوکھلی ہو کر رہ گئی تھیں۔ بے بنیاد رسوم اور بدعات و خرافات نے اسلام کی شکل و صورت مسخ کر دی تھی۔ جبہ و عمامہ میں ملبوس پیروں کی مسندیں جا بجا بچھی تھیں لیکن وہاں سے اسلام کی روشنی نہیں پھوٹتی تھی بلکہ ان کا مقصدِ قیام جلبِ زر، ظاہری نمود و نمائش، شغلِ ہاؤ ہو اور ذاتی اغراض کی تکمیل تھا۔ ان مخدوش حالات کے پیش نظر شاہ صاحبؒ نے ایک طرف تو مسلمانوں کو اغیار کے تسلط سے نجات دلانے اور خلافتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ آزادی میں شرکت کر لی اور دوسری جانب توحید کے مٹتے ہوئے نقوش کو اجاگر کرنے اور اسلام کے رخِ زیبا کو بدعات کی آلائش سے پاک صاف رکھنے کے لئے تقریر اور تحریر کے ذریعے حق و صداقت کی آواز بلند کی اور متحدہ ہندوستان کے بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن و حدیث کی روشنی پھیلانے کے لئے اپنا شب و روز ایک کر دیا۔ لوگوں کے سامنے جب اسلام کی حقیقی تصویر ابھری اور بدعات کی قباحت ان پر منکشف ہوئی تو مذہبی اجارہ داروں کی دکانیں ماند پڑنے لگیں۔ ان جغادریوں نے جب محسوس کیا کہ ان کا اقتدار، ان کے اللے تللے اور ان کی اجارہ داری خطرہ میں ہے تو انہوں نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی اٹھا دیا۔ ان کی دکانِ فتویٰ ساز میں گندے سے گندا جو فتویٰ موجود تھا اسے آزمایا اور ہر قسم کی بازاری گالیوں اور غلیظ خطابات و القاب سے شہیدؒ بالاکوٹ کو نوازا گیا۔ ان کو گستاخ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تک کہا گیا حالانکہ ایک عام مسلمان بھی ہر گالی برداشت کر سکتا ہے مگر گستاخیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طعنہ برداشت نہیں کر سکتا۔

شاہ شہیدؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (معاذ اللہ) منقصت بیان کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی؟ اس بات کا فیصلہ ہم آپؒ کی تصنیفات سامنے رکھ کر کر سکتے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں آپؒ کی بے نظیر تصنیف "منصبِ امامت" کے چند حوالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ جس خلوص اور جس انداز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی و ابی) کی تعریف حضرت شاہ صاحبؒ نے کی ہے تفریق بین المسلمین کے وہ 'فدائی' جن کا عمر بھر مشغلہ تکفیر و تفسیق رہا اس تعریف کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت سید شہیدؒ مذکورہ کتاب کے اردو ترجمہ کے صـ ۱۸ پر فرماتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام کو خدائے رحمٰن کے حضور میں تمام مخلوق کی نسبت ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ وہ عنایاتِ خداوندِ ذوالجلال کے منظورِ نظر ہیں، الطافِ ربانی سے ہر وقت مسرور و خوشحال اور انعاماتِ الٰہی سے ہمہ دم ممتاز ہیں۔ محبوبیت کے چمن کے پھول اور مقبولیت کی انجمن کے صدر نشیں ہیں۔ اس کے افلاک کے ستارے اور قدوس کے املاک کے افسر ہیں۔ درجاتِ عظیمہ کا عطیہ انہی کی ذاتِ بابرکات کو زیبا اور مہمات کا سرانجام دینا انہی کی ذات کے لئے موزوں ہے۔ وہ کروبیاں کی محفل کے سردار اور قدسیوں کے لشکر کے تاجدار ہیں۔ ان کی ہمت اور اولوالعزمی بند دروازوں کی کنجی اور ان کی دعا مستجاب ہے۔ ان کا محب خدا کا محبوب اور ان کا دشمن خدا کا معتوب ہے، ان کی محبت بلندیٔ درجات کا باعث اور ان کا توسل وسیلۂ نجات ہے۔ انکی پیروی باعثِ حصولِ عطیات اور ان کا اتباع دافعِ بلیات ہے۔ وہ غیبی فیض کا منبع اور اسرارِ قدسی کے خزانے ہیں۔ ان کا وسیلہ پکڑنے والے کی ادنیٰ کوشش بھی مشکور اور ان کے فرمانبرداروں کا کبیرہ گناہ بہت جلد قابلِ عفو ہے۔"

صـ ۲۳ پر لکھتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام کے روحانی معاملات کو انسانی کمالات میں عام لوگوں کی نسبت یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ دربار

کبریائی کے مخاطب اور کتاب اللہ و ارشادات غیبی کے حامل اور صحیح بشارتوں سے سرفراز ہیں۔ تکریم کے چمن اور تعلیم کے گلستان سے تربیت یافتہ ہیں۔ مجالس تعظیم کے سردار اور مدارس تفہیم کے دانشمند ہیں۔ احکام (الٰہی) کے مخزن اسرار اور الہام کے مورد ہیں۔ عالم ملکوت کے نور سے منوّر اور معجزات کے ظہور سے عالم تکوین میں مؤید کے کمالات سے موصوف اور لذات مناجات کے ادراک کے عاشق اور حبّ اللہ کے مقام میں ثابت قدم اور بغض فی اللہ کے معرکے میں علمبردار ہیں۔ عاجزی کا اقرار کرنے والے ہیں اور خشوع میں ثابت قدم اور خوف و رجا میں پارے کے مانند بے قرار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق میں فنا ہیں جیسا کہ شبنم سورج کی تپش سے فنا ہو جاتی ہے۔ ربّ العزّت کی تعظیم میں نہایت مؤدب اور راضی برضائے مولیٰ ہیں۔ توکل اور تنہائی میں، نہایت پاک ہیں۔ نفسانی آلودگی سے مبرّا ہیں اور وساوس شیطانی کو دور کرنے میں جری اور بہادر ہیں۔ طہارت اور پاکدامنی ان کی جبلت اور اللہ عز و جل کی عبادت ان کا شغل ہے۔ خدا کی محبت کی آگ کو دل میں روشن کئے ہوئے اور ما سوی اللہ کو بالکل ہیچ جانتے ہیں۔ زہد و قناعت میں بے مثل اور صبر و استقامت میں ضرب المثل ہیں۔ دشواریوں کے حل کرنے میں، ممتاز اور مہمات کے سرانجام دینے میں عالی ہمت ہیں۔ عقل و علم کے خزانے اور عفو و حلم کی کانیں ہیں۔ دوستی (محبت) و وفا کے جامے اور پاکدامنی و حیا کے چشمے ہیں۔ تمام خلقت پر رحیم اور روابط تعلقات علائق میں کریم ہیں۔ ہر بیگانے کے دوست اور ہر گمراہ کے لئے شمع ہدیٰ ہیں۔ (خدا کی راہ سے) بھاگنے والے کے پیچھے دوڑتے ہیں (کہ اس کو راہ پر لائیں) اور رہ راندہ دینے والے کے لئے اسے نیک بنانے کی فکر میں ہیں۔ بہار سخاوت کے ابر اور گلستان جوانمردی کی بہار ہیں۔ بیشۂ شجاعت کے شیر اور میدان کارزار کے دلیر ہیں۔ راست گو سیر چشم اور دشمن کو دوست بنانے والے ہیں۔ مکارم اخلاق میں یگانۂ آفاق اور طالبان حق کے عاشق و مشتاق ہیں۔"

ص۲۷ پر لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ ان (انبیاءؑ) کو بد غلتِ نفس و شیطان اور خطا و نسیان سے اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھتا ہے، اور محافظ ملائکہ کو ان پر متعین کر دیتا ہے تاکہ بشریت کا غبار ان کے پاکدامن کو آلودہ نہ کرے اور نفس بہیمیہ اپنے بعض امور ان پر مسلط نہ کر دے اور اگر قانون رضائے الٰہی کے خلاف ان سے شاذ و نادر کوئی امر واقع ہو بھی جائے تو حافظ حقیقی فی الفور اس سے انہیں آگاہ کر دیتا ہے، اور جس طرح بھی ہو سکے غیبی عصمت ان کو راہ راست کی طرف کھینچ لاتی ہے۔"

آخر میں ہم سوال کرتے ہیں کیا یہی وہ "جرم" ہے جس کی بنا پر شاہ شہیدؒ کو گستاخ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی گالی دی جاتی ہے؟ قرآن و حدیث کو بغیر ملاوٹ کے عوام کے سامنے پیش کر دینا ہی ان کا وہ "گناہ" ہے جس کی وجہ سے وہ "مجرم" ٹھہرے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو عرض ہے کہ اس جرم گناہ کا ارتکاب ہمیشہ ہوتا رہنا چاہیئے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ۔

بقیہ: بسلسلہ انقلابی مسلمان

کی حکومت آپ کی شکرگزار تھی۔ آپ کی کوششوں سے امیر امان اللہ خان کے دور حکومت ۱۹۲۲ء میں کانگریس کمیٹی کابل بنائی گئی جس کا الحاق ڈاکٹر انصاری کی کوششوں سے انڈین کانگریس سے کیا گیا اور آپ کابل میں اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

آپ ماسکو گئے تو نیشنل کانگریس سے تعلق کی بنا پر سوویٹ روس نے آپکو بحیثیت مہمان ٹھہرایا۔ سات ماہ کے قیام کے دوران آپ نے اپنے دوستوں کی مدد سے سوشلزم کا مطالعہ کیا جیسا کہ وہاں آپ کو مطالعہ کی تمام سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔

۱۹۲۳ء میں آپ ترکی گئے جہاں تین سال کے قیام کے دوران آپ نے تحریک اتحاد اسلامی کا تاریخی مطالعہ کیا، اور یورپ کو اسلام سے متعارف کرانے کے لئے آپ نے اپنے استاذ الاستاذ اور امام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خواہش کے عین مطابق پروگرام کو ترکی پریس سے شائع کرانے کے لئے اسوقت کی حکومت سے اجازت چاہی۔ ترکی وزارت خارجہ نے اس کی اشاعت کا بندوبست کیا جبکہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا گیا۔

ترکی میں تین سال کے قیام کے بعد آپ مکہ مکرمہ چلے گئے جہاں آپ نے تقریباً بارہ سال قیام کیا۔ ہندوستان واپس پہنچنے کے تقریباً پانچ سال بعد اور انگریزوں کی ہندوستان سے بے دخلی سے چند سال قبل یہ عظیم انقلابی مسلمان ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء کو دین پور میں انتقال فرما گئے۔

مولانا غلام اکبر سلیمانی کا ملاقاتی دورہ

مولانا غلام اکبر سلیمانی یکم جنوری سے دوستوں اور ساتھیوں سے ملاقات کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ ملک بھر کے احباب مطلع رہیں۔

عبدالصمد صارم الازہری

جس دن میں ریٹائرڈ ہوا

گھر والوں کو مہینوں پہلے یہ معلوم تھا کہ میں چونتیس سال یونیورسٹی کی خدمت کرکے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۸ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ریٹائرڈ ہونے والا ہوں۔ چونتیس سال سروس کرنے کے بعد ایک ساٹھ سالہ انسان کا ریٹائرڈ ہونا کوئی عجیب سانحہ نہیں ہو سکتا۔ آخر ایک نہ ایک دن تو ہر ملازمت پیشہ کو ریٹائرڈ ہونا پڑتا ہے۔ مگر مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ جب میں ۱۸ دسمبر کو کالج جانے لگا تو سب کے چہرے اداس تھے اور بیگم صاحب تو سارے دن چارپائی سے اٹھ کر ہی نہ دیں۔ میں سوچتا ہوں ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ ان لوگوں کو خدا پر اتنا بھروسہ نہیں جتنا کہ مجھے ہے کیونکہ میرے دل پر اس بات کا ذرہ برابر اثر نہ تھا۔ میں اسی طرح خوش خوش کالج گیا اور اسی طرح لیکچر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ میرا آخری لیکچر ہے، مگر جب میں حاضری لینے لگا تو میں نے لڑکوں سے پوچھا آج کیا تاریخ ہے؟ تو لڑکوں نے کہا آج کی تاریخ تو آپ کو یاد ہونی چاہیئے کیونکہ آج ۱۸ دسمبر ہے اور آپ ریٹائرڈ ہو رہے ہیں۔ طالب علموں کے یہ کہنے سے مجھے اپنی طبیعت کا صحیح اندازہ ہوا کہ ریٹائرڈ ہونا میری نظر میں کس قدر معمولی سی بات ہے ورنہ مجھے آج کی تاریخ ضرور یاد ہوتی۔

کچھ دوستوں نے مجھے ریٹائرڈ ہونے پر مبارکباد دی۔ یہ بات میری طبیعت کے مطابق تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں اتنے سال خدمت کرنے کے بعد باعزت ریٹائرڈ ہوا۔ جب پروفیسر وقار عظیم ریٹائرڈ ہوئے۔ کئی دن کے بعد میری ملاقات ہوئی تو میں نے کہا سنا ہے آپ ریٹائرڈ ہو گئے ہیں تو ان پر ان کلمات کا بڑا اثر ہوا۔ کہنے لگے ایک دن آپ کو بھی ریٹائرڈ ہونا ہے۔

عام طور پر لوگوں کو صدمہ ہی ہوتا ہے مگر مجھے اگر خوشی نہیں ہوئی تو کوئی صدمہ بھی نہیں ہوا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ رزق مقدر کہیں نہیں جا سکتا۔ رزق اور موت انسان کو خود تلاش کر لیتے ہیں۔ میرے بیوی بچے اور تعزیت کرنے والے دوست یہی سمجھتے ہوں گے کہ بس رزق کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ پنجاب یونیورسٹی ہی ہے۔ کوئی شخص برخواست ہوتا ہے تو دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھتا ہے کہ میری روزی صرف یہیں لکھی تھی۔ حالانکہ رزق کے بے شمار دروازے ہیں۔ ایک بند ہوتا ہے تو دوسرا کھل جاتا ہے اور کمی زیادتی تو ہوتی ہی رہتی ہے دنیا کی ہر چیز میں زیر و بم ہے لہذا رزق میں بھی ہے کبھی کم کہیں زیادہ، کبھی آرام کے ساتھ اور کبھی تکلیف سے، ملتا ضرور ہے، جد و جہد شرط ہے۔

ایسے دوست دو چار سے زیادہ نہ تھے جنہوں نے مجھ سے یہ بات سنتے ہی الحمدللہ کہا۔ یہ بڑے پکے مذہبی لوگ تھے — صوم و صلوٰۃ کے پابند۔ مجھے انہوں نے مبارکباد دی۔ کچھ دوست ایسے تھے جو یہ بات سن کر خاموش ہی ہو گئے جیسے انہیں اس خبر سے تکلیف پہنچی ہے اور کچھ نے باقاعدہ اظہار افسوس کیا۔ میں نے کہا افسوس کی کیا بات ہے؟ آخر ایک دن تو ایسا ہونا ہی تھا۔ کہنے لگے آپ کی آمدنی کم ہو گئی۔ میں نے کہا تو پھر کیا ہوا کبھی دھوپ کہیں چھاؤں، بہتیرے عیش کر لئے، اب عیش نہ سہی برکفش قلندر!

عام طور پر ایسا ہے کہ انسان جوں جوں بوڑھا ہوتا جاتا ہے، رفتہ رفتہ قدرت اس سے اپنے عطیات چھیننے لگتی ہے، کبھی دانت داڑھ ہے لئے، کبھی بصارت، کبھی ہاضمہ، کبھی صحت کا بیشتر حصہ، بھوک کم ہونے لگتی ہے اور رزق گھٹنے لگتا ہے۔ مال و دولت چھننے لگتا ہے یا تقسیم ہونے لگتا ہے، پھر جس کی جتنی زیادہ عمر ہوتی جاتی ہے عزیز و اقارب اور دوست احباب بھی اس سے چھننے لگتے ہیں اور جن لوگوں کی طویل عمریں ہوتی ہیں انہیں اولاد کے صدمے بھی زیادہ برداشت کرنے پڑتے ہیں، کبھی بیٹوں کا صدمہ تو کبھی پوتوں اور نواسوں وغیرہ کی فرقت اور اہل علم سے آہستہ آہستہ علم بھی چھین لیا جاتا ہے۔ ثم یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئا پھر ارذل عمر تک پہنچ جاتا ہے کہ جاننے کے باوجود بھی سب کچھ بھول بیٹھتا ہے، ہوش و حواس اور عقل و توانائی بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں بس ریٹائرڈ در ریٹائرڈ در ریٹائرڈ ہوتے ہوتے زمین کا گز بن جاتا ہے۔

دنیا میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جس میں سراسر فائدہ ہو یا سراپا ضرر ہو۔ ریٹائرمنٹ کا بھی یہی حال ہے کہ جب کوئی ریٹائرڈ ہوتا ہے تو دس دشمن خوش ہوتے ہیں اور دس دوست رنجیدہ ہوتے ہیں، کسی شخص کے ریٹائرمنٹ کے بعد جو اس کا جانشین ہوتا ہے، اس کے لئے تو یہ ریٹائرمنٹ سراسر خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے گھر والے، اس کے دوست احباب خوش ہوتے ہیں اور وہ تو پھولے نہیں سماتا اور جو رخصت ہوتا ہے اس کے گھر والے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مصائب قوم عند قوم فوائد۔

اللہ والوں کی دنیا

حافظ ارشاد احمد دیوبندی

بانیٔ دار العلوم دیوبند

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ اس احقر راقم عفا اللہ عنہ نے اپنے سابقہ مضمون میں اختصار کے ساتھ واضح کیا ہے کہ حجۃ الاسلام ولی من اولیاء اللہ بانی دار العلوم دیوبند حضرت الشیخ قاسم العلوم نور اللہ مرقدہٗ بلا مبالغہ درویش کامل بھی تھے مجاہد اعظم بھی تھے، محقق اور بے نظیر عالم دین بھی تھے اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ غرضیکہ رب قدوس نے آپؒ کے اندر متعدد عمدہ ترین صفات عالیہ ودیعت فرما دی تھیں جو ایک مومن کامل اور سچے مسلمان کے شایان شان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقی مرد مومن سے اسلامی خدمات کے ایسے عظیم الشان کام لئے ہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ زریں باب روشن کتاب کی طرح رہتی دنیا تک فرزندان توحید کی راہنمائی کے لئے ہر مقام پر رہبری کرتا رہے گا۔ اس مرد مومن کی مثال قرن اول ہی میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ علم میں عمل میں، جہاد میں ریاضت میں، تدبر اور سیاست میں تصوف اور سلوک میں آپ بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ ایک تعداد عالم دین نے بروایت ماہنامہ الحق پشاور بالکل صحیح اور بجا فرمایا ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات انیسویں صدی کے آخر میں بے شبہ آیۃ من آیۃ اللہ تھی۔ آپ کے علمی، اخلاقی اور روحانی کارنامے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت نے رازیؒ کا فلسفہ، شوانی رح کا علم الکلام غزالیؒ کا سوز و گداز ابن تیمیہؒ کا صولت بیان حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم کی حکمت و دانش احمد سرہندیؒ کی غیرت و حمیت اسلامی اور ٹیپوؒ کی شجاعت یہ سب چیزیں بڑی فیاضی کے ساتھ ایک ہی شخص میں جمع کر دی تھیں اور بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ:

"ہمارے اکابر تو وہ ہیں کہ اگر ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر دیا جائے اور بتایا نہ جائے تو دیکھنے والے رازیؒ اور غزالیؒ ہی سمجھیں گے۔"

اور ہمارے اکابر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے احادیث مبارکہ کی کتب صحاح ستہ کی جو شرحیں عربی زبان میں لکھی ہیں یا عربی کتب میں حواشی اور مستقل عربی تصانیف میں کتابیں لکھی ہیں ان کا مقام بھی قرون اولیٰ کے محقق مورخ اور نامور مصنفین سے کسی لحاظ سے کم نہیں ہے اللہ تعالیٰ مقبول و مبرور فرمائے۔ آمین۔
(راقم عفا اللہ عنہ)

دار العلوم دیوبند کا قیام

اور اس کے فوائد:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس مادر علمی دار العلوم کی بنیاد رکھی جس کی روح فی الحقیقت حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے فرمان کے مطابق یہی تھی کہ علوم نبوت اگر عام ہو جاتے اور ایمان سنبھل جائیں تو پھر مسلمان سب کچھ کر سکتے ہیں اور اگر ایمان ہی نہ رہا تو پھر کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ جب شوکت اور حکومت جا چکی تو کم از کم دین تو محفوظ رہ جائے اور وہ رہ گیا تو آگے سب کچھ ہو جائے گا۔ اس لئے سفر میں جہاں بھی گئے تو آپؒ مدارس قائم کرتے چلے گئے۔ مراد آباد میں مدرسہ شاہی، امروہہ میں مدرسہ علیہ، بریلی میں مدرسہ اشاعت علوم۔ انبٹھ اور تھانہ بھون میں دینی مدرسے اور گلاؤٹھی میں مدرسہ قاسمیہ قائم کیا اور جتنے متمول تھے خطوط لکھتے رہے کہ جہاں ہو مدرسہ قائم کرو۔ اور حضرتؒ کی ایک بڑی عمدہ سیاست تھی اور اس کا حاصل یہ تھا کہ قوم کو علم کے راستے سے تیار رکھنا کہ وہ مضبوطی سے قائم رہے۔ اور جب دین ہوگا تو آئندہ ممکن ہے کہ ان میں شوکت اور قوت بھی آ جائے۔ ادھر معاشرت کو درست کیا۔ معاشرے کی سب سے بڑی خرابی نکاح بیوگان کی طرف توجہ دی۔ پھر خلافت اسلامیہ کی طرف لوگوں کو مائل کیا۔ ہر وقت اس کا دھیان جس سے میں نے یہی سمجھا کہ حضرتؒ چاہتے تھے کہ اسلامی نظام کی کوئی نہ کوئی بود و نمود باقی رہے۔ اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو کم از کم کسی اسلامی حکومت سے تو مربوط رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضراتؒ کی امیدوں کا مرکز بہت دنوں تک افغانستان رہا اور برطانیہ کو یہ شکایت رہتی کہ یہ جماعت شورش کر رہی ہے اور افغانستان سے مل کر برطانوی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی ہے مگر ان حضرات کو اس کی کیا پرواہ تھی، افغانستان سے برابر اپنا رابطہ قائم رکھا اور یہی وجہ ہوئی کہ جب امیر نادر خاں کا انتقال ہوا اور ظاہر شاہ

تخت سلطنت پر بیٹھ گئے تو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا کہ امیر مرحوم کی تعزیت اور امیر موجود کی تہنیت کروں میں افغانستان حاضر ہوا اور میں نے یہ تحریر لکھ کر پیش کی کہ ہمارا مقصد کوئی مالیہ اور چندہ لینا نہیں بلکہ ان روابط کو زندہ کرنا ہے جو ہمارے اکابر کے تھے۔

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کو صدر اعظم افغانستان نے اور باتوں کے ساتھ یہ واقعہ بھی سنایا کہ حکومت کابل ہمیں آپ بزرگوں کی خدمت اور دعاؤں سے ملی ہے، اور یہ اشارہ تھا اس طرف کہ امیر نادر خاں صاحب کے چچا تایا سردار محمد یوسف خاں اور سردار محمد آصف خاں یہ دونوں بیعت تھے حضرت گنگوہیؒ کے اور برطانیہ نے انہیں دہرہ دون میں نظر بند کر رکھا تھا تو یہ حضرات شکار کے حیلے سے گنگوہ آکر حضرتؒ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور حضرتؒ کوئی نصیحت فرما دیتے۔ آخری دفعہ جب ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ

"جاؤ کابل کی حکومت تمہارے خاندان میں آئے گی اور عدل سے کام کرنا۔"

انہیں حیرت ہوئی کہ کابل کی حکومت سے ہمارا کیا تعلق؟ امان اللہ کی حکومت تھی یہ لوگ بنی سام میں سے تھے۔ انہیں عہدے اور وزارتیں تو ملتی تھیں مگر حکومت کا کوئی سوال نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ حضرتؒ نے حوصلہ افزائی کے طور پر یہ کلمہ کہہ دیا ہے۔ اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ بچہ سقہ کی حکومت آئی امان اللہ خاں معزول ہوئے کیونکہ اس نے مظالم ڈھائے تو قوم متوجہ ہوئی کہ امیر نادر خاں کو فرانس سے بلایا جائے۔ وہ آئے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالی پھر شہید ہو گئے۔

پھر صدر اعظم نے فرمایا کہ

ہمارے پاس کچھ تبرکات آپ کے بزرگوں کے محفوظ تھے مولانا نانوتویؒ کی ایک ٹوپی تھی جو میرے والد کے پاس تھی اور ہمیں جب کوئی بیماری ہوتی تو والد ہمیں وہ حضرت نانوتویؒ والی ٹوپی اڑھاتے تھے اور ہمیں باذن اللہ شفا ہو جاتی تھی۔ آج ڈاکٹر فیس (جو ترک ہے) کو ہم چھ ہزار روپے ماہانہ دیتے ہیں مگر ان کے اتنے قیمتی نسخوں سے بھی وہ شفا نہیں ہوتی جو ان تبرکات کی وجہ سے ہوتی تھی۔

اور فرمانے لگے کہ

"بچہ سقہ کے زمانے میں ہمارا گھر لوٹا گیا، لاکھوں روپے کا سامان چوری ہو گیا لیکن ہمیں صدمہ ہوا تو صرف تبرکات کا جس کا آج تک ہمارے اوپر اثر ہے۔

افغانستان کے علاوہ ترکوں کے ساتھ بھی ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین نے بھرپور تعاون کیا۔ ان حضرات کے ذہن کا اندازہ ہے۔ یوں چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلامی حکومت بازیافت ہو جائے مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو۔ حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ کی بھی یہی تحریک تھی۔ حضرت شیخؒ بھی یہی چاہتے تھے کہ عالم اسلام متحد ہو کر ترک اور افغانستان سب مل کر ہندوستان پر حملہ آور ہوں۔ حضرتؒ کی یہ تحریک اور وہ حملہ آور بھی ہوئے مگر کچھ تو یہ ملک تیار نہ تھا۔ کچھ مجاہد تربیت یافتہ نہ تھے۔ نتیجہ شکست کی صورت میں نکلا۔ اور یہ خواہش انہیں ورثے میں اپنے استاد حضرت نانوتویؒ سے ملی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں تو گویا حضرت جوش جہاد میں سرشار تھے اور یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح خدا کی راہ میں جان دیدیں۔

الغرض حضرت نانوتوی مرحوم کی زندگی کے کارناموں میں ایک علمی کارنامہ تو دارالعلوم ہے جس کا فیض اطراف عالم میں پہنچا۔ دوسرا معاشرتی کارنامہ ہے اور تیسرا سیاسی اور اجتماعی کارنامہ کہ تہذیب و تعلیم ہی کے سلسلے میں سبھی مگر ممالک اسلامیہ میں کوئی نہ کوئی ربط قائم رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ نے محکمہ قضا قائم فرمایا اور دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو قاضی مقرر فرمایا تو ہزاروں مقدمات جو برسہا برس سے رکے ہوئے تھے منٹوں میں طے ہوئے۔ لوگوں کا وقت اور مالیہ بھی بچا۔ یہ سلسلہ جاری رہا، مگر انگریز نے آخر میں آکر توڑ دیا

دیوبند میں انگریز نے ایک تھانیدار کو بھیجا جو بڑا سخت قسم کا آدمی تھا۔ چنانچہ وہ آیا۔ رمضان شریف کا آخری عشرہ تھا اس نے آکر حضرت نانوتویؒ سے مصافحہ کیا اور بہت جرأت کے ساتھ کہا:

"کیا آپ ہندوستان میں شرح محمدیؐ کا جھنڈا گاڑنا چاہتے ہیں۔ یہ کیا آپ نے محکمہ قضا قائم کیا ہے۔

حضرتؒ نے بڑی نرمی سے فرمایا کہ "یہ تو ہم لوگ گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں جو لاکھوں روپے خرچ کر کے مقدمات فیصل کرتی ہے۔ ہم نے منٹوں میں فیصل کر دیا۔"

اس نے کہا: "نہیں آپ پورا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں رپورٹ کر دونگا۔"

اس پر حضرت کو بڑا غصہ آیا اور فرمایا کہ "اسے کان سے پکڑ کر باہر نکال دو۔"

طالبعلموں نے دھکے دے کر اسے نکال دیا تو حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ ہم بھی تیری رپورٹ کریں گے۔ نکال دو اس شیطان کو۔

بہرحال عید کا دن تھا۔ تھانیدار کے ہاتھ میں دودھ کے بالٹے بھرے تھے کپڑے تیار، خوشیاں منائی جا رہی تھیں کہ اچانک گورنمنٹ کا حکم پہنچا کہ اس کی رشوتوں کی انتہا ہو گئی ہے۔ اس تھانیدار کو فوراً برخواست کیا جائے، اور بازار سے دوکان دوکان پر جہاں جہاں سے اس نے رشوت لی ہوئی ہے پیروں میں رسی ڈال کر اسے پھرایا جائے تو

اس حالت میں اسے گھمایا گیا وہ یہ کہتا جارہا تھا کہ میں نے تو مولوی کی رپورٹ نہیں کی مگر مولوی نے میری رپورٹ کر دی ہے۔

(الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر)

پھر جس دور میں حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی یہ وہ زمانہ تھا کہ مغربی مفکر ڈارون کا نظریہ اتنا عروج حاصل کرچکا تھا کہ بعض سادہ لوح پڑھے لکھے مسلمان بھی اس کے غلط نظریات کا شکار ہو چکے تھے اور لارڈ میکالے کی کوشش بھی کہ اپنے اس جملے سے واضح ہے۔ اس نے کہا کہ:

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے انگریز ہو مگر مذاق اور رائے الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔"

حضرت نانوتوی مرحوم نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھ کر ڈارون کے چہرے پر عملی طور سے ایک ایسا زوردار تھپڑ رسید کیا کہ اس کی یہ مذموم کوشش بری طرح ناکام ہو کر رہ گئی اور برصغیر کے علاوہ عالم کائنات میں مدارس اسلامیہ عربیہ قائم ہوئے۔ اس طرح اسلام بھی محفوظ رہا اور بڑی حد تک مسلمانوں کو انگریز بننے سے محفوظ کر لیا گیا ورنہ انگریزوں کے عزائم بہت بھیانک تھے اور وہ ہندوؤں سے زیادہ مسلمانوں کو اپنی راہ کا پتھر سمجھ کر انہیں کئی حیلوں اور بہانوں سے مرتد کرنے کی مکروہ سازشیں بنا رہے تھے جس کا اظہار ایک اور مغربی مفکر "ہنری ہیرنگٹن تھامس" نے اپنے ایک رسالہ "ہندوستان میں گزشتہ بغاوت اور ہماری آئندہ پالیسی" میں یوں بیان کرتا ہے کہ

"میں نے پہلے بھی یہی بیان کیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بانی اور اصلی محرک ہندو نہ تھے اور اب میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ یہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ ہندو اگر اپنی مرضی اور ذاتی غرض تک محدود ہوں تو وہ کبھی ایسی سازش میں شرکت نہیں کر سکتے تھے نہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمان خلیفہ اول سے موجودہ زمانے تک یکسانیت کے ساتھ مغرور ظالم رہے ہیں۔ (المرء یقیس علی نفسہ آدمی دوسرے کو بھی اپنے پر قیاس کرتا ہے)" راقم عفا اللہ عنہ" ہمیشہ ان کا مقصد یہی رہا ہے کہ جس ذریعے سے بھی ہو اسلامی حکومت قائم ہو اور عیسائیوں کے ساتھ نفرت کے خیالات کی نشوونما ہو۔ مسلمان ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے" اس لئے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں ممکن نہیں۔

ناظرین حضرات انگریزوں کے یہ خیالات بھی بانی دارالعلوم دیوبندؒ کی مساعی جمیلہ سے تاثر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا انگریزی تعلیم سے رد کرنے کی متعدد وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اگر دارالعلوم دیوبند کا وجود مقدس بالفرض عمل میں نہ آتا تو پھر لارڈ میکالے وغیرہ اپنے نظام تعلیم کی معرفت ہر لحاظ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس لئے ہر مسلمان کو حضرت نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھ کر مسلمانوں کو الحاد و بے دینی کے سیلاب سے بچا لیا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب اپنی مشہور کتاب "علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" میں رقم طراز ہیں

ہندوستان کے طول و عرض پر مسیحی مذہب کا جھنڈا لہرانے کے شوق میں عیسائی اور مسلم نما پادری سانپ بچھو کی طرح ظلمت کدہ ہند کے چپہ چپہ میں رینگنے لگے۔ نظام تعلیم کی تباہی نے ایک عام جہالت کی چادر تمام ہندوستان پر تان دی۔ شاہ عالم کے معاہدہ کے برخلاف حکومت کی زبان انگریزی قرار دے کر عربی اور فارسی کے تمام مکاتب کو پیغام فنا سنا دیا گیا۔ علماء وقت کو دیہاتی جاہل سے بھی زیادہ بے حیثیت کر دیا گیا۔ اسکولوں اور کالجوں کا کورس وہ تجویز کیا گیا جو مسلمان بچوں کو عیسائی نہ بنا سکے تو کم از کم ان کی رائے میں اتنی تبدیلی ضرور پیدا کر دے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں۔ ایک مصیبت تھی تباہی تھی جس میں مسلمانان ہند پہلی مرتبہ مبتلا ہوئے تھے۔ تمام چارے ختم ہو گئے تھے۔ بظاہر تقدیر پر تدبیر غالب آ چکی تھی۔ حیرانی تھی کہ جب شجر اسلام کی آبیاری نہ ہو تو اسلام باد سموم کے تیز و تند جھونکوں میں اس نخل نو کا بقا کہاں تک۔ دشمنان اسلام اگرچہ اسلام کے فنا کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن اسلام اپنے چاہنے والوں کے ذریعہ سے اپنا اعجاز دکھانا چاہ رہا تھا۔ وہ ایک جدید جماعت کے لئے مچل رہا تھا

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ان ہی پاکبازوں کی پیشانیاں سربسجود ہوئیں اوقات سحر میں قاضی الحاجات کی بارگاہ عالیہ میں دست دعا بلند کئے گئے۔ ان کے

تفرع اور ابتہالی پر لطف الٰہی کا ترشح سرزمین ہند کی طرف منعطف ہوا اور ہندوستان میں تحفظ اسلام کی ایک تجویز پر عملدرآمد شروع ہو گیا ۔ یوں کہو رسالت عظمیٰ کے عہد مقدس کا صحفہ ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا ۔ پھر سیاست کے نام سے کوئی تحریک انگریزی پالیٹکس میں حرام تھی تنظیم قوم اوّل تو خود خطرناک چیز تھی پھر کسی مقصد کے بغیر تنظیم ناممکن ۔ تنظیم بذات خود کبھی بھی کامیاب نہیں ۔ ہاں کوئی مقصد خود بخود نظم پیدا کردیا کرتا ہے محض وعظ تبلیغ یا اخبار موجودہ نسلوں کے لئے مفید ہے مگر آئندہ کے لئے ان چیزوں میں تحفظ ملت کی کوئی قیمت نہیں ۔ ہاں ایک چیز اور صرف ایک چیز تھی جسکا نقشہ عہد رسالت وعلی صاحبہا الف الف صلوات وسلام میں صُفہ کی صورت میں نظر آتا تھا اب اس کو مدرسہ کی شکل دے دی گئی ہے ۔ محض اللہ تعالےٰ کے توکل پر مذہبی مدارس کا ایک سلسلہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو مسلمان اور اسلام کو اپنی حقیقت کے ساتھ باقی رکھ سکے ۔ انگریزی کالجوں اور اسکولوں کے مقابلہ میں ایسے مدارس کا قیام نہایت دشوار تھا کیونکہ زمانہ کا انقلاب طبائع کا تغیر انگریز کا اقتدار ایسے اسلامی مدارس کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا ۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ سے اس کا تعلق یہ معنی رکھتا تھا کہ انگریزی منشا کے بموجب مذہب کو مسخ کرنے کی ایک مشین بنائی جائے ۔ لیکن ان مقدس اکابر نے تحفظ ملت اور بقاء اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی ، جفاکشی ، فاقہ مستی اور ایثار کو منظور کیا اور محض اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کر کے خاندان ولی اللہیؒ کے جانشینوں نے سرزمین دیوبند ، سہارنپور اور پھر مرادآباد کی طرف عنان جدوجہد کو منعطف کیا ۔ چنانچہ دیوبند میں دارالعلوم ، سہارنپور میں مظاہر العلوم ، مرادآباد میں مدرسہ قاسم العلوم عرف مدرسہ شاہی قائم کیا گیا ۔ ایک عجیب کرشمہ ہے کہ ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند نے مرکزیت کی شان حاصل کرلی اور واقعہ تو یہ ہے کہ دارالعلوم نے وہ مرکزیت حاصل کی جس کی نظیر سے مسلمانوں کی پوری تاریخ خالی ہے ۔ بے شک ہندوستان میں گیارہ سو برس مسلمانوں کی شاندار حکومت قائم رہی مگر کیا کوئی درسگاہ ملتی ہے جس میں اس اہتمام کے ساتھ حدیث وتفسیر اور دیگر علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہو ۔ بے شک مدارس لاکھوں تھے ۔ چپہ چپہ پر اسکول تھا ، مگر ہندوستان کے طول وعرض میں افسوس ہے کہ دارالحدیث اور دارالتفسیر کا ادارہ ایک بھی نہ تھا ۔ بے شک مصر وبغداد میں بڑی بڑی درسگاہیں قائم ہوئیں جامع اظہر آج بھی اپنی جامعیت میں شہرۂ آفاق ہے لیکن ان تمام درسگاہوں کا قیام وبقا حکومت کے خزانوں پر تھا ۔ سوال تو یہ ہے کہ بکیس وبے درماں قوم کا مدرسہ جو اپنی خدمات میں جامع اظہر جامع نظامیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں سے بازی لے جائے کیا پوری اسلامی تاریخ میں اس دارالعلوم دیوبند سے پہلے کہیں وجود میں آیا ہے ؟ بلاشبہ یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے جو سرزمین ہند میں دارالعلوم دیوبند کی شکل میں ظاہر ہوا اور جس نے تمام عالم اسلام کو اپنی طرف متوجہ کیا ۔

(علماء حق)

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت قاسم العلومؒ کا یہ عظیم کارنامہ صدقہ جاریہ کے طور پر انشاء اللہ تعالیٰ تاقیام قیامت باقی رہے گا اور جہاں جب بھی مدارس اسلامیہ قائم ہونگے " الدال علی الخیر کفاعلہ " کے قاعدہ کلیہ کے مطابق آپکو بھی اجر ملتا رہیگا ۔ ہم اپنی اگلی قسط میں انشاء اللہ تعالیٰ حضرت الشیخ نانوتویؒ کی دیگر متعدد اسلامی خدمات کا خلاصہ پیش کریں گے اور ساتھ ہی دارالعلوم دیوبند کے اصول ومقاصد ، غرض وغایت ونصب العین بھی پیش کریں گے ثم انشاء اللہ تعالیٰ ۔ (باقی)

بقیہ : چینیں تقدما نے بغیں . . . .

شرافت کی علامت ہے اور کامیابی کی راہ بھی یہی ہے ۔

حق تعالےٰ سارے مسلمانوں کو اسی طبقہ میں شامل فرمائے اور سبائیت کے عقائد وافکار سے سب کی حفاظت فرمائے ۔ (آمین ثم آمین)

بقیہ : امریکی سامراج کی دھائی

باتیں امریکہ کے خطرناک عزائم کی نشاندہی کرتی ہیں ۔

آج امریکی سامراج عالمی رائے عامہ کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہے ۔ کیا امریکی یہ بتا سکتے ہیں انڈونیشیا کے مردآہن صدر سوئیکارنو عالم اسلام کے رہنما شاہ فیصل ، جنوبی ویت نام کے صدر نگوڈین ڈیم اور اسی طرح دوسرے عالمی راہنماؤں کو قتل کرانے میں کس کا ہاتھ ہے ؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امریکی سامراج نے جب کبھی آزادی اور جمہوریت پسند ملک میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس کو منہ کی کھانی پڑی ۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے اور کوئی باشعور شخص اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ امریکہ نے جب کیوبا کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی تو فیڈل کاسترو شیر بن کر ان پر جھپٹا ۔ ویت نام کے ہوچی منہ جیسے شیردل لیڈر نے امریکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا ۔ ویت نامیوں کی طویل جدوجہد اور قربانی سے امریکہ کے نشانات مٹ گئے ۔ مصر کو چھیڑا تو جمال عبدالناصر ان پر بجلی بن کر گرا ۔ ایران میں مداخلت کی تو آیت اللہ خمینی نے امریکہ کے خلاف مورچہ سنبھال لیا ۔

لہذا حالات کی موجودہ رفتار کی نزاکت کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرتے ہوئے امریکہ کو اپنی سامراجی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنی چاہیئے ۔ اس کے بغیر امریکہ دنیا کے نقشہ پر ایک باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتا ۔ امریکہ کو اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ دھونس اور دھاندلی کا دور ختم ہوتا جا رہا ہے اور حقائق وواقعات کو زیادہ عرصہ تک جھٹلایا نہیں جا سکتا خاص طور سے امریکہ کے موجودہ صدر جناب کارٹر جو انسان دوستی اور انسانی اقدار کی بلندی کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں ، انہیں اپنی روش میں تبدیلی لا کر اپنے آپ کو دوغلے کردار ادا کرنے سے بچانا چاہیئے ۔

([illegible])

فضلائے دار العلوم دیوبند کی خدمت میں

ڈاکٹر کا فقدان؛

مجلس تحفظ حقوق اہلسنت جلال پور پیروالہ کا اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر رشید احمد صاحب یزدانی منعقد ہوا، جس میں معاشرتی اصلاح اور گرانی کے خلاف حکومت کے موجودہ اقدامات کو سراہا گیا، نیز حکومت مارشل لاء سے اپیل کی گئی کہ ملک میں مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ کیا جائے اور خلفائے راشدین کے ایام سرکاری طور پر منائے جائیں۔

دیگر سول ہسپتال جلالپور پیروالہ میں کافی عرصہ سے ڈاکٹر نہیں ہے جس سے اہلیانِ شہر و قصبہ بہت تنگ ہیں۔ مہربانی فرما کر کوئی ڈاکٹر بھیجا جائے۔

مزید برآں سول ہسپتال جلالپور پیروالہ کی دائی کا تبادلہ نہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا کیونکہ عوام موجودہ دائی کی کارکردگی سے ہر طرح سے مطمئن ہیں۔

خانہ کعبہ پر قبضہ کی مذمت

مجلس تحفظ حقوق اہلسنت جلالپور پیروالہ کا اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر رشید احمد یزدانی منعقد ہوا۔ اجلاس میں خانہ کعبہ پر حملہ کی مذمت کی گئی، اور اسے مجرمانہ دہشت پسندانہ کارروائی قرار دیا ہے۔ دہشت پسندوں کے ٹولہ نے ۹۰ کروڑ مسلمانوں کو چیلنج کیا تو اس سے پورے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور اہلیان جلالپور پیروالہ نے اس غم میں مکمل ہڑتال کی اور سعودی عرب کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایسے شر پسندوں کو عبرتناک سزا دی جائے۔

دیگر قاری سید عبدالمجید ندیم، ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ حقوق اہلسنت کی غیر ملک سے واپسی پر اور مقامات مقدس کی زیارت سے سرفیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عبدالرحمٰن جامی النقشبندی
۲۔ خدا بخش فاروقی
۳۔ حکیم غلام مرتضیٰ قریشی

جلالپور پیروالہ

اظہار تعزیت

تنظیم القاسم اہل سنت والجماعت شکرگڑھ کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس زیر صدارت عبدالجبار صدر تنظیم القاسم شکرگڑھ مسجد حنفیہ محلہ اسلام آباد میں ہوا جس میں سعودی عرب میں پی۔آئی۔اے کے طیارہ کے المناک حادثے میں شہید ہونے والے حجاج اور عملہ کے ارکان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔ مولانا محمد عبیداللہ سرپرست تنظیم القاسم شکرگڑھ نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے خدا کے حضور دعا کی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خط و کتابت کرتے وقت تاریخ لکھنا مت بھولیں

از دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

محترم حضرات! متوسلین
متوسلین دار العلوم دیوبند!
سلام مسنون

قبل ازیں بھی فضلاء دار العلوم دیوبند کی خدمت میں استدعا کی گئی ——

حضرات مکرم! دار العلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس برائے تقسیم اسناد و دستار ہائے فضیلت ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء منعقد ہو رہا ہے۔ دار العلوم دیوبند سے اخبارات و رسائل کے ذریعے بار بار اعلانات ہو رہے ہیں کہ پاکستانی فضلاءِ دار العلوم علی الخصوص اپنے پتہ جات و کوائف سے مطلع فرمائیں تا کہ ان کو دعوت نامے بھجوائے جائیں۔

اضلاع پنجاب کے لئے ہم نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی ہے کہ پنجاب کے اضلاع سے فضلائے دار العلوم کے پتے مہیا کر کے دار العلوم دیوبند پہنچائیں گے۔ مقام تأسف و تحیر کہ پورے پنجاب سے تاحال صرف تین اضلاع سے نامکمل پتے وصول ہو سکے!

دیوبندی حضرات احساس فرماتے ہوئے اپنے ضلع سے معلومات فراہم کر کے فضلاء دار العلوم کے کوائف و پتہ جات سے بہت جلد براہ راست دار العلوم دیوبند یا جامعہ رشیدیہ مطلع فرمادیں۔ تا کہ بروقت دعوت نامے بھجوائیں۔ جملہ شائقین و شاملین حضرات اپنے پاسپورٹ مکمل کرا کے ویزے خود حاصل کریں گے۔

نیز فضلاءِ دار العلوم اپنے پاسپورٹ بشمول انڈیا اندراج کر کے مکمل فرمالیں تا کہ ویزے حاصل ہو سکیں اور یہ کام فضلاءِ دار العلوم دیوبند نے از خود کرنا ہو گا۔ فقط

والسلام بالوف الاحترام
فاضل حبیب اللہ مدیر و ناظم اعلیٰ
جامعہ رشیدیہ، ساہیوال

خیبر میل کے اسٹاپ بحال کئے جائیں۔

عبدالکریم ارائیں، رانا اصغر علی، خان سیٹھ محمد شفیع اور دیگر معززین شہریوں جنہیں مقامی سماجی کارکن قابلِ ذکر علی بخش چوہدری حافظ مسعود احمد شاکر صاحب، حافظ کریم بخش چشتی صاحب اور دیگر شہریوں نے ریلوے حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ پڈعیدن جنکشن ریلوے اسٹیشن پر عوام ایکسپریس۔ تیز رو خیبر میل تیزگام کا اسٹاپ سابقہ اوقات کار کے مطابق بحال کیا جاوے اور اباسین ایکسپریس کوئٹہ ورنا سکھر کی بجائے حیدرآباد تا پشاور تک بڑھایا جائے تاکہ اندرونِ سندھ کے مسافروں کو پنجاب کے دُور دراز علاقوں تک سفر کے لئے مشکلات سے نجات مل سکے۔

علاوہ ازیں شہریوں نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ کوٹری تا روہڑی تک چلنے والی ۱۵۳ اپ اور ۱۵۴ ڈاؤن پسنجر ٹرین جو بند ہو چکی ہے دوبارہ بحال کی جائے۔ مذکورہ گاڑیوں تیز رو، عوام ایکسپریس۔ تیزگام اور خیبر میل کے اسٹاپ سے مقامی ڈاک کی آمدورفت میں حائل دشواری اور دیگر سفری مشکلات کا بھی بڑی حد تک ازالہ ہو جائے گا کیونکہ پڈعیدن جنکشن اور گردونواح کی کثیر آبادی کا ذریعہ سفر صرف ریلوے سے ہی ہے پہلے سب گاڑیاں یہاں رکتی تھیں۔ سابقہ گاڑیوں کے اسٹاپ بحال کئے جائیں۔

غم و غصہ کا اظہار:

جامع مسجد گنبد والی جہلم میں بر موقع جمعہ مسلمانان اہل سنت والجماعت کا عظیم اجتماع بیت اللہ شریف۔ ومسجد حرام کے تقدس و احترام کو پامال کرنے اور حجاج کو یرغمال بنانے، طواف و دیگر عبادات میں مخل ہونے اور بیگناہ مسلمانوں کو شہید یا زخمی کرنے والے منافقین کے گروہ کی شدید مذمت اور اس کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے۔

۲۔ یہ اجتماع حکومت سعودیہ کو اپنی ہر طرح کی جانی و مالی خدمات کا یقین دلاتا ہے کہ کسی بھی نازک موقع پر مسلمانان پاکستان اپنے دینی و روحانی مرکز حرمین شریفین مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کی حفاظت میں ہر قسم کی قربانی دینے میں انشاءاللہ العزیز کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے

۳۔ یہ اجتماع اس منافق اور فسادی گروہ پر کامیابی حاصل کرنے پر سعودی حکومت کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

۴۔ یہ اجتماع اس موقع پر شہید یا زخمی ہو جانے والے حجاج کرام یا دیگر وہاں کے باشندوں فوج و پولیس ملازمین کے ساتھ پوری پوری ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور انکا حرم شریف کی حفاظت میں اپنی جان تک قربان کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کو جنت کے علیا درجات نصیب فرمائے۔ آمین۔

ضرورت رشتہ

ایک حافظ قرآن فارغ تحصیل عمر ۲۳ سال نوجوان کے لئے نیک صوم صلوٰۃ کی پابند دوشیزہ کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ کے لئے

غلام مرتضیٰ استاد
گورنمنٹ پرائمری سکول
چائنہ بستی، نزد گلاب دیوی ہسپتال
ماڈل ٹاؤن لاہور

دیرینہ مریضوں کے لئے

مژدہ جانفزا

نامور معالج حکیم حافظ خوشی محمد صاحب فریضہ حج اور زیارت حرمین شریفین کے بعد واپس تشریف لا چکے ہیں۔ خصوصی تشخیص امراض اور تسلی بخش علاج کے لئے حافظ دواخانہ تشریف لائیں۔

ناظم حافظ دواخانہ، جی ٹی روڈ، اقبال نگر، ضلع ساہیوال

ہل۔ ترپالی۔ ٹوکہ اور دیگر

زراعتی سامان

بازار سے بارعایت خریدنے کے لئے تشریف لاویں۔

عبدالغفار اینڈ سنز، ہارون آباد ضلع بہاولنگر

جذبۂ ایثار سے کام لیکر کارکن جماعت میں نئی روح پھونک دیں۔

★ میاں محمد اجمل قادری

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی نائب صدر جناب میاں محمد اجمل قادری نے کہا کہ کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ جذبۂ ایثار سے کام لے کر جماعت کو نئی زندگی عطا کریں اور جمعیۃ طلباء اسلام میں ایک نئی روح پھونک دیں۔ انہوں نے کہا کہ منزل کا تعین کر لینے کے بعد طے شدہ اصولوں کے لئے قربانی ایک انقلابی مسلمان کی شان ہے۔

وہ گذشتہ دنوں مدرسہ قاسم العلوم میں جماعتی احباب سے تنظیمی امور پر گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک انقلابی مسلمان کبھی حالات سے مایوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی مسلسل جدوجہد کی منزلیں طے کرتا ہی جاتا ہے۔ ہر نئی تبدیلی اس کے لئے ترقی کا زینہ ہوتی ہے۔

تنظیمی صورتحال کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ہمارے قدم اب فکری راہنمائی کی طرف اٹھ رہے ہیں۔ ہم ذہنوں میں انقلاب برپا کرنے کے بعد عملی قدم اٹھا سکیں گے اور فکری انقلاب کے لئے دائمی انقلاب حضرت شاہ ولی اللہ رح کے فکر کی گہرائیوں کو پانا ضروری ہے کیونکہ موجودہ دور میں شاہ ولی اللہ رح کے اقتصادی معاشی اور معاشرتی افکار ہی مشعلِ راہ ہو سکتے ہیں۔ ان افکار کی تفہیم و ترویج کے لئے ہی تربیتی اجتماعات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں صرف اور صرف افکار کو سمجھنا ہی نہیں ان پر عمل کر کے اس کے مطابق ملکی و ملی مسائل کا حل تلاش کرنا ہے، لہذا ہمیں ساتھ ساتھ عمل کا جذبہ بھی پیدا کرنا ہو گا اور جمعیۃ طلبہ اسلام کو تنظیمی بنیادوں پر مضبوط بنانے کی سعی کرنی ہو گی۔ اس سلسلہ میں آئندہ ہم رابطہ مہم شروع کریں گے تاکہ ساتھیوں سے رابطہ کر کے جمعیۃ طلباء اسلام کو تنظیمی بنیادوں پر مضبوط بنایا جائے۔

حضرت امام حسین رض کی زندگی مشعلِ راہ ہے،

★ ندیم اقبال اعوان

جمعیۃ طلباء اسلام حلقہ اچھرہ کے زیر اہتمام مدرسہ فتحیہ ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور میں "شہادت حسین رض" کے سلسلے میں ہونے والے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان نے کہا کہ ظلم کی حکمرانی کے سامنے حضرت امام حسین رض کی شہادت ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت حسین رض کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ طلبہ کو چاہیئے کہ وہ اسوۂ شبیری کو اپنائیں اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چلیں۔

مولانا سیف الدین سیف نے کہا کہ شہادتِ حسین رض سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اسلام کی سربلندی کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیں۔ اجلاس سے صدر جلسہ مولانا مخدوم منظور احمد کے علاوہ جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع لاہور کے صدر خالد محمود ٹیپو، ناظم اطلاعات اختر ندیم اور قدرت اللہ فاروقی نے بھی خطاب کیا۔ اجلاس کے مہمان خصوصی حاجی عبدالرشید تھے۔

انتخاب تحصیل اوکاڑہ:

گذشتہ دنوں دارالعلوم جامعہ مدنیہ میں جمعیۃ طلبہ اسلام اوکاڑہ کا انتخاب عمل میں لایا گیا، جس میں حسب ذیل عہدیداران کا چناؤ ہوا۔

صدر	جناب احتشام الحق فاروقی
نائب صدر	حافظ محمد جاوید
ناظم عمومی	ہارون الرشید رشدی
ناظم	حافظ سید منظور احمد شاہ
" اطلاعات	سید احسان الحق گیلانی
" مالیات	قاری نصیر احمد

فرسٹ ایئر ویلکم پارٹی:

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلباء اسلام ٹھل کے زیر اہتمام فرسٹ ائیر کے طلبہ کے اعزاز میں ایک پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں فرسٹ ایئر کے طلبہ کی خاصی تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر جمعیۃ طلبہ اسلام کا اجلاس ہوا جس کی صدارت عبدالغنی انصاری نے کی۔ اجلاس میں جناب خدابخش بھٹی کو گورنمنٹ کالج ٹھل کا کنوینر مقرر کیا گیا جبکہ شوکت علی انصاری، لعل محمد بردہی، عبدالرحمٰن چنہ، محمد رمضان نوناری اور محمد ابراہیم بڑرہ معاون مقرر ہوئے۔ اس اجلاس سے نواب الدین بلوچ، محمد عالم سومرو اور بشیر احمد صاحب نے خطاب کیا۔ آخر میں عبدالغنی انصاری ناظم مالیات صوبہ سندھ نے ان سے حلف لیا۔

حافظ محمد عامر کا اعزاز:

جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع لاہور کے سابق نائب صدر جناب حافظ وقیع الزماں کے چھوٹے بھائی جناب حافظ محمد عامر انٹرمیڈیٹ

کے امتحان میں ۸۱۱ نمبر لے کر طلبہ میں اول آئے ہیں۔ اس طرح انہوں نے جمعیۃ طلباء اسلام کے ساتھیوں میں ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ اس سے قبل گوجرانوالہ کے شاہد مشتاق بھی یہ اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔ جمعیۃ طلباء اسلام ایسے ساتھیوں پر فخر کرتی ہے جو جمعیۃ طلباء اسلام کے پروگرام کو سمجھنے اور عمل کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی میدان میں بھی دوسروں سے آگے ہیں۔ ہم یہ اعزاز حاصل کرنے پر حافظ محمد عامر صاحب کو اور ان کے والد گرامی جناب مولانا بدیع الزماں (فاضل دیوبند) کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو تعلیمی میدان میں مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔ اور علماء حق کی راہنمائی میں اسلام کی سربلندی اور دین کے غلبہ کے لئے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم توقع کرتے ہیں کہ حافظ عامر صاحب جمعیۃ طلباء اسلام کی ترقی میں ممدو معاون ثابت ہوں گے۔

جناب عاشق فانی

کو صدمہ :

جمعیۃ طلبہ اسلام بہاولنگر کے راہنما جناب جناب عاشق فانی کے بڑے بھائی ایک تنازعہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون عاشق فانی صاحب کے لئے بلاشبہ یہ ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ نائب صدر میاں محمد اجمل قادری ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان نے ایک بیان میں مرحوم کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور عاشق فانی کے نام ایک پیغام میں کہا ہے کہ ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ علاوہ ازیں جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ پنجاب کے صدر جناب ظہیر میر نے ان کے گھر جا کر ان کی تعزیت کی اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی۔

مرکزی دفتر سے رابطے سے متعلق

۱۔ ساتھی اپنی تمام تر کارکردگیوں اور تنظیمی رپورٹوں کو فوری طور پر دفتر ارسال کیا کریں۔
۲۔ کاروائیاں اور رپورٹیں اردو میں جمعیۃ طلباء اسلام کے لیٹرپیڈ پر ارسال کریں۔
۳۔ دفتر سے رابطہ کرتے وقت اپنے خطوط پر اپنا پتہ ضرور لکھیں، اگرچہ آپ کا پتہ دفتر میں موجود ہو۔
۴۔ دفتر میں لیٹرپیڈ اور پریس ریلیز موجود نہیں۔ عنقریب چھپ کرا جائیں گے۔
۵۔ تعارف، جمعیۃ طلباء اسلام کیوں بنی؟ ہماری دعوت، اعتدال کی راہ، کراچی سے خیبر تک دفتر میں موجود ہے۔ رقم ارسال کرکے یا وی۔ پی۔ آرڈر پر طلب کر سکتے ہیں۔
۶۔ "عزم نو" کے مستقل خریدار حضرات نصف قیمت پر -/۱۵ روپے ارسال کرکے اسلامی نظام تعلیم نمبر حاصل کر سکتے ہیں۔

حافظ محمود الحسن زبیری
ناظم دفتر جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان

پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کے آغاز پر عظیم الشان ملک گیر

کنونشن

جس میں ملک بھر سے ہزاروں طلباء، علماء، وکلاء اور دانشور شرکت کریں گے
مقام اور تاریخ کا اعلان بعد میں کر دیا جائے گا

طارق مسعود ناظم اطلاعات جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان